"فرعونی تاریخ مصر کی قدیم سیاسی و تمدنی سرگذشت ہے، کتاب دو حصوں مین ہے، پہلا حصہ ۲۰ صفحون پر مشتمل ہے، جو گویا قدیم مصری تصویرون کا ایک عکسی البم ہے، جس مین پہلی تصویر حضرت یوسف "زلیخا کے گھر مین" کے عنوان سے ہے، خواجہ صاحب نے اس تصویر کے شائع کرنے کو جوازیون بتلایا کہ "یہ اُس زمانہ کی ہے جب کہ وہ پیغمبر نہیں ہوئے تھے، کیونکہ "اصلی" پیغمبری اپنے والد حضرت یعقوبؑ کی وفات کے بعد شروع ہوئی تھی"، (ص ۷) گویا جن علماء کے نزدیک پیغمبرون، اور اولیاے صالحین کی تصویرین کھینچنا یا شائع کرنا ناجائز ہے، انھون نے اس قسم کی کوئی شرط بھی لگا رکھی ہے، کہ وہ ان کے "اصلی" پیغمبر اور ولی ہوجانے کے بعد کی ہو، اسی طرح دوسرے حصہ کے دیباچہ مین خواجہ صاحب نے اس کتاب کو تاریخ مصر کے بجائے "فرعونی تاریخ" سے موسوم کرنے کی عجیب وجہ لکھی ہے، فرماتے ہین، "مجھے اپنے خدا کی پیروی ضروری معلوم ہوتی ہے، جس کو فرعون نام سے ایسا لگاؤ ہے کہ قرآن مجید مین جگہ جگہ اُس نے فرعون کا ذکر کیا، لفظ مصر کا ذکر قرآن مجید مین بہت کم ہے، اور عربی مین کہاوت ہے، من احبّ شیئًا اکثر ذکرہ جو جس چیز سے محبت رکھتا ہے، اس کا بار بار ذکر کرتا ہے" (دیباچہ حصہ دوم ص ۳ و ۴) یعنی بیک جنبشِ قلم فرعون بھی نعوذ باللہ محبوب الٰہی بن گیا، دوسرا حصہ ۲۰۰ صفحون پر مشتمل ہے، جس مین مصر کی قدیم سیاسی و تمدنی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اور مختلف بابون مین مصر کی بادشاہیون کے سیاسی حالات، مصر کے تمدن، علوم و آداب، عقائد و روایات، رسم و رواج، مصری آرٹ، صنعت و حرفت، فن تعمیر، غرض قدیم مصر کے ہر گوشہ پر نظر ڈالی گئی ہے، اور آخر مین "مصری عجائب گھر" کی سیر کرائی گئی ہے، مصری تمدن کی قدامت و اولیت وغیرہ کے مباحث مین وہ نظریے قبول کئے گئے ہین، جن کو مصر کے اہل علم نے قائم کیا ہے، نیز خواجہ صاحب نے جابجا مصری عقائد و مدنیت کی مماثلت قدیم ہندوانہ عقائد و رسم و رواج سے بھی دکھائی ہے، کہین کہین طرز ادا مجتہدانہ، مورخین کے طرز گفتگو سے علٰحدہ ہے، بہرحال اردو مین یہ کتاب قدیم مصری معلومات کا بہترین مرقع ہے، اور مستحق قدر افزائی کی ہے،

"س"

جلد ۵۹ ماہ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۷ء عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان، اس وقت انقلاب کے دروازے پر کھڑا ہے، کئی صدیون سے جو تاریخ جاری تھی، اب اس کے آخری صفحے بھی مرتب ہو جائین گے، خوشی کی بات ہے، کہ اس سیاسی انقلاب کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ مین ایک نئی روح دوڑانے کی امنگ بھی پیدا ہو چکی ہے، ابھی جنوری کے پہلے ہفتہ مین انڈین سائنس کانگرس کا ۳۴ وان سالانہ اجلاس دہلی مین منعقد ہوا، جس مین سائنس کے مختلف شعبون کے ہندوستانی ماہرین کے علاوہ مختلف ملکون، روس، انگلستان، فرانس، امریکہ، اسٹریلیا، کناڈا اور چین کے ماہرین سائنس نے شرکت کی، اور اپنی تقریرون مین سائنٹفک ترقیون کے لئے ہندوستان کے درخشان مستقبل سے اپنی امیدین وابستہ دکھائین، اور صدر منتخب نے اپنے خطبہ مین ان عزمون کو بیان کیا جن کے بموجب سائنس کی ترقیون مین مستقبل کا ہندوستان اپنا حصہ ادا کرنے والا ہے، اور ملک کے سائنس دانون سے توقع ظاہر کی، کہ وہ اپنے سائنٹفک خدمات کو ہندوستان کی ترقی کا ذریعہ بنائین گے اور جدید سائنٹفک ادارون سے اس ملک کی ضرورتین پوری کرین گے،

اسی طرح ہندوستان کا موجودہ نظام تعلیم بھی ایک انقلابی دور سے گذر رہا ہے، سب سے اہم مسئلہ تعلیم کی زبان کا ہے، شکر ہے کہ اب اس مسئلہ پر نظری حیثیت سے گفتگو کرنے کا دور ختم ہو چکا، انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے سب سے پہلا کالج ۱۸۳۴ء مین بمبئی مین قائم کیا گیا تھا، اور ۱۸۳۵ء مین کلکتہ کے میڈیکل کالج کی بنا پڑی، اور اس وقت سے آج تک اس ملک مین سرکاری تعلیم کی زبان انگریزی رہی، اس یک صد سالہ دور کا جو کچھ تعلیمی تجربہ ہے، ہمین اس سے فائدہ اٹھانا ہے، اس سے انکار نہین کیا جا سکتا، کہ انگریزی کے ذریعہ تعلیم ہونے سے ملک کو نفع اور نقصان دونون پہنچا، مگر اب جب کہ خالص ملکی حکومت ہو گی، اور ہماری ملکی زبان مین نئے سے نئے علوم کو بڑھانے کے ذرائع و وسائل مہیا ہو چکے ہین، اور جامعہ عثمانیہ مین اس کا عملی تجربہ بھی کیا جا چکا ہو تو انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنائے رکھنے کے دو بنیادی دلائل بھی باقی نہین رہ گئے، جو لارڈ میکالے اور ولیم بنٹنگ نے پیش کئے تھے، ایسی صورت

مین اب انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنائے رکھنا کوئی مناسب بات نہین کہی جا سکتی تھی، خوشی کی بات ہے، کہ مرکزی حکومتِ ہند کے نئے رکن تعلیم نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی اس اہم مسئلہ پر توجہ کی چنانچہ اس کو حل کرنے کے لئے وہ مختلف صوبون کے وزراے تعلیم، اور یونیورسٹیون کے ماہرین کو مشورہ کے لئے جمع کرنے والے ہین، اور توقع ہے کہ سال روان یا آیندہ سال سے ملکی زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیدیا جائے اور ہندوستانی طلبہ جو ایک سو برس سے علوم کی تحصیل اجنبی زبان مین کرتے آئے ہین، اس بارے سبکدوش ہو جائین، اور وہ مختلف علوم کی تحصیل اپنی ملکی زبان مین کر سکین، اور انگریزی زبان کی تحصیل کو ایک معیاری ادبی زبان کی حیثیت سے برقرار رکھ سکین، امید ہے کہ ہندوستان کے ہر طبقہ کی طرف سے یہان کے نظام تعلیم مین اس خوشگوار تبدیلی کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے گا،

ہمارے لئے اس سے بھی زیادہ باعث مسرت یہ ہے کہ مرکزی حکومتِ ہند کے محکمۂ تعلیم کی زمام ایک صاحبِ علم و فضل شخصیت کے ہاتھون مین آجانے کی وجہ سے ہماری عربی و فارسی تعلیم کا مسئلہ بھی حکومت کے زیر توجہ مسائل کی فہرست مین داخل ہو گیا ہے، اور صوبہ متحدہ اس سلسلہ کی مساعی کے لئے جولانگاہ قرار پایا ہے کہ در اصل یہی صوبہ ہندوستان کی عربی درسگاہون کا مرکز ہے، یہان جو تبدیلیان رونما ہون گی، وہ سارے ہندوستان کی عربی درسگاہون کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکین گی، ابھی ۲۲ فروری ۴۷ء کو عربی و فارسی کمیٹی کا جو اجلاس لکھنؤ مین منعقد ہوا، اور اس مین جو ماحول نظر آیا، وہ ہمارے لئے بہت کچھ حوصلہ افزا ہے، اس اجلاس مین ملک کی اہم درسگاہون کے روح روان حضرات نے عملی شرکت فرمائی، اور ہندوستان مین عربی تعلیم کی اصلاح و تجدید کے مسئلہ پر اپنے قیمتی مشورے دیئے،

مولانا آزاد نے اپنے خطبۂ صدارت مین نصاب تعلیم کی اصلاح پر سب سے زیادہ توجہ فرمائی، جیسا کہ مولانا موصوف نے فرمایا، یہی دعوت تھی، جو آج سے پچاس برس پہلے **ندوۃ العلماء** کی تحریک کے نام سے ملک مین پیش کی گئی تھی، اور بحمد اللہ کہ اس پچاس برس مین خواہ زبان سے اس دعوت کی مقبولیت کا اقرار نہ کیا گیا ہو، مگر عملی طور پر اس کی صداے بازگشت سے ہمارے عربی مدارس کے حجرے خالی نہین رہے، آج عربی مدارس کا نصاب تعلیم بہت کچھ بدل چکا ہے، غیر ضروری علوم کی منتہی کتابین درس سے خارج کی جا چکی ہین، علوم آلیہ کو آلہ و وسیلہ کی حیثیت سے پہچانا جا چکا ہے، پھر عربی علم ادب اور دوسرے نئے علوم کو مدرسون مین کمی کے ساتھ سہی روشناس کیا جا چکا ہے،

یہی وجہ ہے کہ اس اجلاس کے خطبۂ صدارت کے جواب میں علماے کرام کی جانب سے جو تقریریں کی گئیں، وہ بھی امید افزا ہیں کہ درحقیقت اب اس کی ضرورت سے انکار کرنے کا دور گزر چکا، صالح زمین تیار ہو چکی ہے، صرف توجہ و انہماک سے بے جھجک کام کرنے کی ضرورت ہے، جن اصلاحات کا رائج ہونا باقی رہ گیا ہے، ان کو رائج کیا جائے اور جہاں طلبہ پر غیر ضروری کتابوں کا بار اب بھی باقی رہ گیا ہو اس کو ہلکا کیا جائے، اور دینی علوم و فنون کے ساتھ ہی ادب و نقد و بلاغت کی مکمل تعلیم دی جائے، اور نصاب میں تاریخ جغرافیہ، جدید فلسفہ، جدید ہیئت، ریاضی اور سائنس کے ضروری ابتدائی معلومات، اور مطالعۂ فطرت (نیچر اسٹیڈی) کے مضامین پڑھائے جائیں، اور نئے علوم و فنون میں بصیرت حاصل کرنے کے لئے انگریزی ادب کو زبان ثانی کے طور پر پڑھایا جائے، اس طرح عربی تعلیم کے نصاب اور مدارس کے نظام کو ایک ایسے قالب میں لایا جائے کہ وہاں کے فارغ التحصیل علما ہمارے دور حاضر کی دینی، ملی، علمی، تعلیمی اور تمدنی ضرورتوں کے لئے مفید ہو سکیں اور امت کی صحیح رہنمائی کے فرائض انجام دے سکیں، صوبۂ متحدہ کی عربی فارسی کمیٹی سے ہماری بہتر توقعات وابستہ ہیں، دعا ہے کہ اس کے ارکان یکجہتی سے اس مسئلہ پر غور و فکر فرمائیں، اور باہمی صلاح و مشورہ سے مفید تجویزیں مرتب کریں، اور ان کو نفاذ و عمل میں لانے کے لائق بنا سکیں،

اسی طرح بنگال اور سندھ کے صوبوں میں نئی یونیورسٹیوں کے قیام کی تجویزیں بھی درپیش ہیں، ان صوبوں میں سیاسی صورت حال نے مسلمانوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا ہے، امید ہے کہ یہ نئی یونیورسٹیاں تعلیم کے نئے خاکے میں نئی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر قائم کی جائیں گی،

حکومت ہند کے تازہ فیصلہ کے مطابق اردو کے گہوارہ لکھنؤ کے ریڈیو اسٹیشن سے اردو زبان کے نشریات کا حصہ صرف ۳۰ فیصدی اور ہندی کا ۷۰ فی صدی ہوگا، اس فیصلہ کے ناموزوں ہونے کی آواز مستحکم دلائل کے ساتھ ملک کے مختلف ذمہ دار حلقوں کی طرف سے اٹھائی جا چکی ہے، حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا یہ فیصلہ خود اس کے قائم کئے ہوئے ان اصولوں کے بھی خلاف ہے جن کی روشنی میں اس فیصلہ تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے، اس میں نہ تو متعلقہ علاقوں کی زبان کی حیثیت و اہمیت" کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہ "اسٹیشن کی لسانی حیثیت" کا کہ لکھنؤ بہر حال وہ محل و قوع ہے جہاں اس زبان کی توسیع و ترقی ہوئی ہے"، ان حالات میں، ایسے فیصلہ کا اعلان کرنا حد درجہ حیرت انگیز اور بڑی جسارت کا کام ہے، ضرورت ہے، کہ حکومت ہند جلد سے جلد اس پر نظر ثانی کرے کہ اس کا دامن اردو، اور اس کے مرکز لکھنؤ کی ادبی و لسانی عظمت کو مٹانے کے الزام سے بری رہے،

مقالات

کچھ "فتاویٰ تاتارخانیہ" کے متعلق

از

سید ریاست علی ندوی

معارف بابت ماہ فروری ۱۹۳۲ء میں ایک مقالہ "خان اعظم تاتار خاں اور اس کی یادگار علمی خدمات" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، ان دنوں راقم السطور کے مقالات کا ایک مجموعہ "عہد اسلامی کا ہندوستان" کے نام سے زیر ترتیب ہے، جس میں ایسے مقالات جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے ہندوستان کے اسلامی دور کی تاریخ سے وابستہ ہے یکجا کئے گئے ہیں، اور ان کو مباحث و معلومات کے زمانہ کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے،

یہ مقالات ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۶ء تک میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں، اس بیس برس کی مدت میں بہت سے ایسے نئے ماخذ چھپ کر سامنے آئے جو ان مضامین کی تسوید کے وقت تک چھپے نہیں تھے، یا ہمارے کتبخانہ میں آ نہ سکے تھے، اس لئے ان پر نظر ثانی کرنے کے سلسلہ میں ان نئے ماخذ سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت پیش آئی، اس سلسلہ میں مذکورہ بالا مقالہ "خان اعظم تاتار خاں ...." پر بھی نظر ثانی کا موقع ہاتھ آیا، تو اس میں "فتاویٰ تاتارخانیہ" کا ذکر تشنہ نظر آیا، ذیل کی سطروں میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

مقالہ "خان اعظم" میں فتاویٰ تاتارخانیہ کے متعلق جو کچھ ذکر آیا ہے، وہ صرف قاضی شمس سراج

عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے ماخوذ تھا، اور بانکی پور کی مجمل فہرست مخطوطات 'مفتاح الکنوز الخفیہ' اور رام پور کی مجمل فہرست کتب عربی کے حوالہ سے صرف یہ اجمالاً عرض کیا گیا تھا کہ اس کے نسخے بانکی پور اور رام پور میں موجود ہیں، اس کے بعد بانکی پور کی فہرست مخطوطات کی انیسویں جلد ۱۹۳۵ء میں چھپ کر آئی جس میں فقہی مخطوطات کا ذکر تفصیل سے آیا ہے، اسی طرح مولانا عبدالحی مرحوم کی نزہۃ الخواطر ۱۳۵۰ھ میں طبع ہوئی، پھر خدیویہ مصر اور بعض دوسرے کتب خانوں کی فہرست مخطوطات کا اضافہ ہمارے کتب خانہ میں ہوا، ان میں سے خصوصاً اول الذکر دونوں کتابوں سے فتاویٰ تاتارخانیہ کے متعلق بعض نئے معلومات روشنی میں آئے،

قاضی شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں فتاویٰ تاتارخانیہ کا تذکرہ تفسیر تاتارخانیہ کے ساتھ اس کے ذیل میں کیا ہے، وہ لکھتا ہے :۔

"تفسیر تاتارخانی کہ در جہاں مشہور ست آں تفسیر جمع کردہ تاتارخاں بود چنیں گویند راویان روایت و حکایان حکایات کہ تاتارخاں خواست کہ تفسیرے مفصل مرتب کند تمام تفاسیر جمع کنانیدہ جماعۂ علماء را فراگردانیدہ، در ہر آیتے و کلمہ آں قدر مفسران گذشتہ کہ اختلاف نوشتہ بودند برائے تالیف تفسیر دل و جان در بست و در ہر یک اختلاف حوالہ بداں صاحب تفسیر کردہ گوئی جملہ تفاسیر در یک تفسیر جمع گردانیدہ چوں آں تفسیر مرتب گشتہ تاتارخاں آں تفسیر را تفسیر تاتارخانی نام داشتہ،

و ہمچنیں خان اعظم طالب دین یک فتویٰ رست کنانیدہ و آں بریں نوع بود کہ جملہ نسخ فتاویٰ شہر دہلی بر خود جمع کرد در ہر مسئلہ و در ہر کلمہ کہ اختلاف ہر یک مفتی ست در فتاویٰ خود نوشتہ و آں را فتاویٰ تاتارخانی نام داشتہ و اختلاف ہر یک مفتی حوالہ بصاحب آں فتاویٰ کردہ، ایں چنیں فتاویٰ موازنہ سی جلد مرتب شدہ[1]"

عفیف کے اس بیان سے یہ چند باتیں ظاہر ہوئیں :۔

۱؎ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۹۲،

۱۔ فتاویٰ کی ترتیب و تدوین کی خدمت بھی، تفسیر تاتارخانیہ کی طرح ایک جماعت علماء نے انجام دی،

۲۔ خان اعظم تاتارخاں نے خاص طور پر اس خدمت کے لئے جماعت علماء کو مقرر کیا،

۳۔ یہ کتاب تصنیف پاکر "فتاویٰ تاتارخانیہ" سے موسوم ہوئی،

حاجی خلیفہ نے بھی اس کتاب کا ذکر اپنی کشف الظنون میں کیا ہے، مگر اس کا بیان عفیف کی مذکورۂ بالا تصریحات کے خلاف ہے، وہ لکھتا ہے،

"تاتارخانیہ" فی الفتاوی	تاتارخانیہ، فتاویٰ میں امام فقیہ عالم بن علاء
للامام الفقیہ عالم بن علاء	حنفی کی تصنیف ہے، یہ ایک ضخیم کتاب کئی
الحنفی وھو کتاب عظیم فی	جلدوں میں ہے، ..... اور اس میں خان اعظم
مجلدات .... وذکر انہ	تاتارخاں کے ایما سے مرتب ہونے کا ذکر آیا ہے
اشار الی جمعہ الخان الاعظم	اور چونکہ کتاب کو کسی نام سے موسوم نہیں کیا گیا
تاتارخان ولم یسمہ ولذلک	ہے، اس لئے اس تذکرہ کی وجہ سے تاتارخانیہ
اشتھر بہ وقیل انہ سماہ	کے نام سے مشہور ہو گئی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ
زاد المسافر[1]	مصنف نے اس کو زاد المسافر کے نام سے
	موسوم کیا تھا،

پھر آگے چل کر "زاد المسافر" کے تحت میں یقین کے ساتھ لکھتا ہے،

"زاد المسافر فی الفروع،

وھو المعروف بالفتاوی	زاد المسافر فقہ میں ہے، یہ فتاویٰ تاتارخانیہ
التاتارخانیہ لعالم بن علاء الحنفی	کے نام سے موسوم ہے، عالم بن علاء حنفی

۱؎ کشف الظنون ج ۱ ص ۲۱۱،

المتوفی سنہ ۷۸۶ھ ست وثمانین وما ئتین[1] متوفی ۷۸۶ھ کی تصنیف ہے،

شیخ عالم بن علاء حنفی کا ذکر نزہۃ الخواطر میں گلزار ابرار (تصنیف مولوی محمد غوثی) کے حوالے آیا ہے، اس میں مذکور ہے:۔

الشیخ الامام العالم الکبیر فرید الدین عالم بن العلاء الحنفی الاندرپتی احد العلماء المبرزین فی الفقہ والاصول والعربیۃ لہ الفتاوی التاتارخانیۃ فی الفقہ المسمیٰ بزاد السفر صنفہ فی سنۃ سبع وسبعین وسبعمائۃ للامیر الکبیر تاتار خان وسماہ باسمہ وکان فیروز شاہ یرید ان یسمیہ باسمہ فلم یقبلہ لصلاقۃ کانت بینہ وبین تاتار خان[2]

شیخ امام عالم جلیل فرید الدین عالم ابن علاء حنفی اندرپتی، فقہ اصول اور عربی ادب کے علمائے ماہرین میں سے تھے، فقہ میں ان کی ایک کتاب تاتارخانیہ ہے، جس کو انھوں نے زاد السفر سے موسوم کیا ہے، اس کو انھوں نے ۷۷۷ھ میں تالیف کیا اور امیر کبیر تاتارخان کے نام سے معنون کیا، فیروز شاہ کی خواہش تھی کہ یہ کتاب اس کے نام سے معنون ہو لیکن مصنف اور تاتارخان کے درمیان جو مخلصانہ روابط قائم تھے، ان کی وجہ سے مصنف نے اس کو قبول نہیں کیا،

---

[1] کشف الظنون جلد ۲ ص ۲۶۸ یہ ظاہر ہے کہ عالم بن علاء کا سال وفات ۲۸۶ھ یہاں غلط درج ہو گیا ہے زمانہ کے اعتبار سے اس کو ۷۸۶ھ ہونا چاہئے، معلوم ہوتا ہے یہ لفظی مسامحت نقل در نقل سے کشف الظنون میں پیدا ہو گئی ہے۔

[2] فتاویٰ تاتارخانیہ کا سال تصنیف ۷۷۷ھ قرار دینا محل نظر ہے کیونکہ تاتارخان کا سانحہ وفات جیسا اس کے سوانح میں درج ہو چکا ہے ۷۵۲ھ سے پہلے پیش آچکا تھا [3] نزہۃ الخواطر ص ۷۰

ان اقتباسات بالا سے ظاہر ہوا کہ

۱۔ تاتارخانیہ کی ترتیب کی خدمت ایک ہندوستانی عالم شیخ فرید الدین عالم بن علاء کے ہاتھوں انجام پائی، نہ کہ علماء کی کسی جماعت نے تاتارخان کے ایما سے اس کے اہتمام میں اس کو مرتب کیا ہے۔

۲۔ بلکہ صاحب گلزار ابرار کے فحوائے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ اس تصنیف کی تدوین ایسے شخصی اور آزادانہ طریقہ سے عمل میں آئی، کہ اگر مصنف چاہتا تو فیروز شاہ کی خواہش کے بموجب اس کو تاتارخان کے بجائے اس کے نام سے معنون کرتا، اس طرح تاتارخان سے اس کتاب کا تعلق محض برائے نام رہ جاتا ہے،

۳۔ اس کتاب کا نام فتاویٰ تاتارخانیہ اصل نام نہیں ہے، جس سے اس کو مصنف نے موسوم کیا ہو، بلکہ اس میں تاتارخان کے ذکر کے آنے کی وجہ سے اس نام سے اس کی شہرت ہو گئی ہے۔

۴۔ اس کا نام حاجی خلیفہ کے بیان کے مطابق زاد المسافر اور صاحب گلزار ابرار کی روایت کے بموجب زاد السفر رکھا گیا ہے،

قاضی شمس سراج عفیف، حاجی خلیفہ، اور صاحب گلزار ابرار کے ان بیانوں میں جو اختلافات ہیں، ان کی تصحیح فتاویٰ تاتارخانیہ کے اصل نسخہ سے بہت کچھ ہو سکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ رام پور، حیدر آباد، مصر کی فہرستیں بالکل مجمل ہیں، خدیویہ مصر کی فہرست میں مرتب نے صرف کشف الظنون کی عبارت نقل کر دی ہے، ان فہرستوں میں اصل نسخہ کے حوالہ سے اس کتاب پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے، لیکن خوشی کی بات ہے، کہ کتب خانہ مشرقی بانکی پور کے فہرست نگار نے اپنا فرض ادا کیا ہے، اور اصل نسخہ سے مدد لے کر اس کتاب کے متعلق معلومات فراہم کئے ہیں، اس سلسلہ میں فتاویٰ تاتارخانیہ کے مقدمہ کی ایک عبارت خاص طور پر مفید مطلب ہے، مقدمہ میں مذکور ہے:۔

اما بعد فقد اشار الیّ .... الخان الاعظم تاتارخان ... ولقد

مجھے اس کی تالیف کے لئے خان اعظم تاتار خان نے اشارہ کیا ہے، .... اور میں نے اللہ

مسئالت اللہ ان اتشمر لجمع کتاب الفتاوی..... ولا جرم تتبعت فی جمع الکتاب ورتبت ابوابہ علی ترتیب الھدایہ وسمیتہ بالفتاوی التاتارخانیہ[1]

دعا کی کہ کتاب فتاویٰ کو جمع کرنا شروع کرون..... چنانچہ مین کتابون کے جمع کرنے مین لگا، اور اس کے ابواب ہدایہ کی ترتیب پر قائم کئے، اور اس کو مین نے فتاویٰ تاتار خانیہ سے موسوم کیا،

مقدمہ کی اس عبارت مین اگرچہ مصنف نے اپنا نام نہین لیا ہے، مگر زیر بحث امور مین سے چند باتین صاف ہو جاتی ہین،

۱۔ فتاویٰ کے جمع و ترتیب کی تحریک خان اعظم تاتار خان کی طرف سے ہوئی، اور اسی کے ایما و ہدایت کے مطابق اس کی ترتیب عمل مین آئی،

۲۔ اس کا نام نہ زاد المسافر رکھا گیا، اور نہ زاد السفر، بلکہ اس کو فتاویٰ تاتار خانیہ ہی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا، نہ کہ محض اس نام سے اس کی شہرت ہوگئی ہے،

لیکن پھر زاد المسافر یا زاد السفر سے اس کے موسوم کئے جانے کی روایت کہان سے چلی تو سردست اس کا پتہ لگانا دشوار ہے، آیندہ اگر شیخ عالم بن علاء کے مزید سوانح اور ان کی تصنیفات کا سراغ لگ گیا تو شاید یہ مشکل حل ہو جائے،

۳۔ مقدمہ کی اس عبارت سے اس روایت کا بے اصل ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ فیروز شاہ نے اس کو اپنی طرف منسوب کرنا چاہا، مگر مصنف اس پر آمادہ نہین ہوا، کہ دراصل مصنف کو اس کتاب کی ملکیت کا آزادانہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ اگر چاہتا تو تاتار خان کے بجائے فیروز شاہ سے اس کو منسوب کر دیتا، پھر فیروز شاہ کی طرف سے کسی ایسی خواہش کا ظاہر ہونا اس کے شاہانہ وقار سے فروتر تھا،

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۵ ص ۱۴۱

اور اگر وہ خواہش ظاہر ہو چکی ہوتی، تو خان اعظم تاتار خان کا تعلق اس تصنیف سے جس نوعیت کا تھا، اور دوسری طرف فیروز شاہ اور تاتار خان کے درمیان جیسے مخلصانہ مراسم تھے، ان امور پر نظر رکھ کر تاتار خان کے اخلاق سے یہ بعید تھا، کہ وہ اپنے آقا کی خاطر اتنا معمولی سا ایثار بھی گوارا نہ کر لیتا،

اس لئے اس روایت کو ایسی افواہون مین شمار کرنا چاہئے جو کسی کتاب یا مصنف کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے مشہور ہو جاتی ہین، اور صاحب گلزار ابرار نے اسی قسم کی ایک افواہ کو بے سند اپنی تصنیف مین قبول کر لیا ہے،

باقی رہا یہ سوال کہ یہ شیخ عالم بن علاء کی تصنیف ہے، یا علماء کی ایک جماعت نے مل کر اس کو مرتب کیا ہے، تو اس مین کچھ زیادہ پیچیدگی نہین ہے، اگرچہ مقدمہ مین جامع فتاویٰ نے اپنا نام ظاہر نہین کیا ہے لیکن عبارت مین اپنا ذکر بصیغۂ واحد لایا ہے، پھر بانکی پور کے کتب خانہ مین ایک نسخہ پر یہ بھی مکتوب ہے کہ

نقل عالم بن علاء الھندی فی الفتاوی التاتارخانیہ[1]

عالم بن علاء ہندی نے فتاویٰ تاتار خانیہ مین نقل کیا ہے،

اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس زمانہ مین اہل علم کے درمیان جن مین یہ کتاب متداول تھی اس کے جامع کی حیثیت سے عالم بن علاء ہندی کا نام معروف تھا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ تیس جلدون کی ضخیم کتاب کی تیاری کا کام تھوڑی مدت مین کسی ایک شخص کی تنہا خدمت سے انجام پانا دشوار ہے اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ قاضی شمس سراج عفیف کے بیان کے مطابق اس خدمت کو علماء کی ایک جماعت نے انجام دیا ہوگا، اور جمع و ترتیب کی آخری ذمہ داری شیخ عالم بن علاء اندپتی کے سپرد اسی طرح ہوگی، جیسے کہ فتاویٰ عالمگیریہ کی ترتیب کی ذمہ داری شیخ نظام کے

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور جلد ۱۵ ص ۱۶۲

کے سپرد تھی اس لئے شیخ عالم بن علاء اندرپتی کو دورِ حاضر کی اصطلاح میں مرتب کہا جاسکتا ہے، اور مقدمہ کی عبارت بھی انہی کے قلم کی سمجھی جاسکتی ہے، اس لئے اگر اس تصنیف کی نسبت ان کی طرف کی جائے، تو کوئی ناموزون بات بھی نہیں ہے۔

الغرض فقہ کا یہ عظیم الشان کارنامہ خانِ اعظم تاتارخان کے علمی و دینی شغف سے عالمِ وجود میں آیا، اس کے اہتمام میں اور اس کے مصارف سے یہ تصنیف تیار ہوئی، اور ترتیب و تدوین کی خدمت شیخ عالم ابن علاء اندرپتی کی نگرانی میں علماء کی ایک جماعت کی معاونت سے اتمام کو پہنچی،

ماخذ اور کتاب کی ترتیب حاجی خلیفہ نے فتاوی تاتارخانیہ کے ماخذ اور کتاب کی ترتیب کا بھی تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

جمع فیہ مسائل المحیط البرھانی	اس میں محیط برہانی، ذخیرہ، خانیہ اور
والذخیرۃ والخانیۃ والظھیریۃ	ظہیریہ کے مسائل جمع کئے ہیں، اور المحیط
وجعل المیم علامۃ للمحیط	کے لئے میم کی علامت مقرر کی ہے اور بقیہ
وذکر اسم الباقی وقدم بابا فی	کے نام لکھے ہیں، اور شروع میں ایک
ذکر العلم ثم رتب علی ابواب	باب علم کے بیان میں لکھا ہے اور ہدایہ
الھدایۃ[1]	کے ابواب کے مطابق کتاب مرتب کی ہے۔

حاجی خلیفہ نے اپنی عام روش کے خلاف کتاب کے ابتدائی جملے نقل کئے ہیں، اور نہ باب العلم سے پہلے جو مقدمہ منسلک ہے، اس کا تذکرہ کیا ہے، بانکی پور کی فہرست میں کتاب کے نسخہ میں آغاز کتاب کے حسب ذیل فقرے نقل کئے گئے ہیں،

"الحمد للہ الذی صیر الفقہاء انجما للاھتداء وجعل ربنا علی ما اسبغ

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۱۱۔

علینا من العطاء الخ"[1]

اسی طرح مقدمہ سے اخذ کرکے اس کتاب کے ماخذ میں ۲۰ کتابوں کے صرف نام درج کئے ہیں، لیکن نہ ان کتابوں کے مصنف کے نام لکھے گئے ہیں، اور نہ ان کے زمانہ کی تعیین کی گئی ہے، اسی طرح کشف الظنون میں بعض کتابوں کے ضمن میں ذکر آیا ہے، کہ اس کا حوالہ تاتارخانیہ میں آیا ہے، مگر خود تاتارخانیہ کے مقدمہ میں جو فہرست ہے اس میں اس کتاب کا نام موجود نہیں، اور نہ حاجی خلیفہ نے خود جہان تاتارخانیہ کا ذکر کیا ہے، وہاں اس کتاب کو اس کے ماخذ میں شمار کیا ہے، بہرحال تاتارخانیہ کے ماخذ کی فہرست ان کے مصنفین کے نام، ان کا یا ان کی تصنیف کا زمانہ اور کتابوں کے قلمی یا مطبوع صورت میں موجود ہونے کی تصریح حسب ذیل ہے،

۱۔ المحیط کے نام سے زیادہ معروف محیط سرخسی ہے، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ تاتارخانیہ کے ماخذ میں المحیط البرہانی رہی ہے، جس کی تائید حاجی خلیفہ کی تصریح سے بھی ہوتی ہے، یہ صاحب ذخیرۃ الفتاوی برہان الدین محمود بن تاج الدین احمد بن عبد العزیز الصدر الشہید المتوفی ۶۱۶ھ کی تصنیف ہے، اس کا نسخہ خدیویہ مصر میں نمبر ۱۲۵ کے نشان کے ساتھ موجود ہے، اور جیسا کہ حاجی خلیفہ کا بیان اوپر گذرا یہ تاتارخانیہ کے اہم ماخذ میں رہی ہے، اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا گیا ہے، اس لئے حوالہ میں اس کا نام بار بار لکھنے کے بجائے اس کے لئے میم کی علامت اختیار کی گئی ہے،

۲۔ ذخیرۃ الفتاوی شیخ برہان الدین المتوفی ۶۱۶ھ موصوف کی یہ دوسری کتاب ہے جو ماخذ میں رہی ہے، اس کے نسخے خدیویہ مصر (ج ۲ ص ۵۱) اور بانکی پور (نمبر کتاب ۱۲۷۵، جلد ۱۵ ص ۱۹۰) میں موجود ہیں،

۳۔ فتاوی ظہیریہ، تصنیف ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد القاضی المحتسب بخارا المتوفی ۶۱۹ھ۔

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱ ص ۱۵،

(موجود در بانکی پور نمبر ۸۲۷، وحیدر آباد)

۴- فتاوی خانیہ معروف بہ فتاوی قاضی خان، تصنیف فخر الدین ابو المحاسن حسن بن منصور اوزجندی فرغانی المتوفی ۵۹۲ھ (مطبوع)

۵- کتاب الخلاصہ: تصنیف افتخار الدین طاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری المتوفی ۵۴۲ھ (موجود بانکی پور نمبر ۱۶۱۲، وخدیویہ ج ۲ ص ۱۳۲)

۶- جامع الفتاوی:- تصنیف ناصر الدین ابو القاسم محمد بن یوسف سمرقندی متوفی ۵۵۶ھ (موجود خدیویہ مصر ص ۳۲)

۷- جامع الفقہ معروف بالفتاوی العتابیہ، تالیف ابو نصر احمد بن محمد عتابی بخاری متوفی ۵۸۶ھ (خدیویہ ج ۲ ص ۴۴)

۸- فتاوی سراجیہ کے نام سے تین مصنفین کی کتابیں ہیں، ایک سراج الدین عمر بن اسحاق المعروف بسراج ہندی المتوفی ۷۷۳ھ کی ہے، دوسری ابو طاہر محمد بن محمد کی طرف منسوب ہے، تیسری سراج الدین علی بن عثمان اوسی فرغانی کی ہے، جو ۵۶۹ھ میں ترتیب پائی، غالباً موخر الذکر مصنف کی کتاب تاتارخانیہ کے ماخذ میں رہی ہے، بانکی پور، خدیویہ اور دار المصنفین میں اس کے نسخے موجود ہیں، کلکتہ اور لکھنؤ سے ۱۸۲۶ء اور ۱۲۵۳ھ میں طبع ہو چکی ہے،

۹- الحجہ کے نام سے افسوس ہے کہ فقہ حنفی میں کسی ایسی کتاب کا پتہ نہیں چلا، جو آٹھویں صدی ہجری تک تصنیف پا چکی ہے، اور اس کو تاتارخانیہ کے ماخذ میں سمجھا جائے۔

۱۰- فتاوی غیاثیہ:- تالیف شیخ داؤد بن یوسف خطیب، یہ سلطان غیاث الدین کے لئے تالیف پائی تھی، خدیویہ مصر اور دار المصنفین میں اس کے نسخے موجود ہیں، ۱۳۲۲ھ میں بولاق سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے،

۱۱- التہذیب کے نام سے دو کتابیں فقہ میں ہیں لیکن وہ دونوں شافعی فقہاء کی لکھی ہوئی ہیں، اور بظاہر تاتارخانیہ کے ماخذ میں نہیں ہیں، فقہ حنفی میں ایک کتاب تہذیب لذہن اللبیب فی الفروع ہے، کشف الظنون میں مذکور ہے، کہ یہ خیرۃ الفقہاء سے بھی موسوم ہے، (ج ۱ ص ۳۵۲) لیکن خیرۃ الفقہاء نام کی کسی کتاب کا ذکر آگے چل کر اس میں موجود نہیں، البتہ خیرۃ الفتاوی سے موسوم ایک کتاب علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن نصیر الدین ملکان البرقوانی کی ہے، مصنف کا زمانہ تاتارخانیہ سے متقدم سمجھا جا سکتا ہے، اس لئے اگر التہذیب سے یہ کتاب مراد ہو سکتی ہے، تو یہ ماخذ میں سمجھی جا سکتی ہے،

۱۲- التجرید کے نام سے دو کتابیں ہیں، ایک رکن الدین عبد الرحمن بن محمد المعروف بابن امیر وہبید کرمانی متوفی ۵۴۲ھ کی ہے، مصنف نے خود اس کی شرح ایضاح کے نام سے لکھی تھی، پھر شمس الائمہ تاج الدین عبد الغفار بن لقمان متوفی ۵۶۲ھ نے بھی المفید والمزید کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے، دوسری کتاب تجرید القدوری کے نام سے معروف ہے، یہ امام ابو الحسین احمد بن محمد متوفی ۴۲۸ھ کی تصنیف ہے، لیکن اول الذکر کتاب کا ماخذ میں ہونا زیادہ ممکن ہے،

۱۳- نوازل فی الفروع امام ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ[1] کا مشہور

---

[1] امام ابو اللیث سمرقندی کے سال وفات میں اختلافات ہیں، مدینۃ العلوم میں ماہ جمادی الاخری ۳۹۳ھ درج کر، ملا علی قاری نے اپنی طبقات میں ۳۷۳ھ لکھا ہے، قاضی عیاض نے اپنی شرح اخفا میں ۳۹۳ھ درج کیا ہے صاحب کشف الظنون نے مختلف کتابوں کے تحت میں مختلف جگہ ان کا ذکر کیا ہے، اور مختلف سنین ۳۷۵ھ (ذکر تفسیر القرآن) ۳۷۳ھ (ذکر شرح الجامع) ۳۸۳ھ (ذکر خزانۃ الفقہ) درج کئے ہیں، کفوی نے ۳۷۳ھ لکھا ہے، (الفوائد البہیہ ص ۹۲) اسی طرح خدیویہ مصر کی فہرست میں نوازل کے ذکر میں متوفی ۳۹۳ھ (جلد ۳ ص ۱۴۴) اور خزانۃ الفقہ کے تذکرہ کے موقع پر ۳۷۳ھ ہجری لکھا ہے، (جلد ۲ ص ۴۳) ہم نے آخر سے آخر تک ۳۹۳ھ کو بلا ترجیح اختیار کر لیا ہے،

رسالہ ہے، اس پر صاحب ہدایہ نے بھی مختارات مجموع النوازل کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، نوازل کا نسخہ بانکی پور اور خدیویہ (ج ۲ ص ۱۴۴) میں موجود ہے،

۱۴- الہدایہ، تصنیف برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل فرغانی مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ (مطبوع ومتداول)

۱۵- النہایہ شرح ہدایہ تصنیف حسام الدین حسین بن علی بن حجاج صغناقی (تصنیف ۷۰۰ھ) المتوفی ۷۱۱ھ بانکی پور کتاب نمبر ۱۶۳۲ و خدیویہ (ج ۲ ص ۱۴۵) میں موجود ہے،

۱۶- کفایہ شرح ہدایہ، تصنیف سید جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی کرلانی (مطبوع ومتداول) اس کی نسبت تاج الشریعہ محبوبی کی طرف بھی کی گئی ہے، مگر صحیح نہیں،

۱۷- وقایہ تصنیف محمود بن صدر الشریعہ احمد بن جمال الدین المحبوبی (الموجود ۶۷۳ھ) بانکی پور کتاب نمبر ۱۶۵۳ و خدیویہ مصر ج ۲ ص ۱۴۷

۱۸- الحاوی القدسی، تصنیف احمد بن محمد بن سعید غزنوی متوفی ۵۹۳ھ، (بانکی پور کتاب نمبر ۱۶۴۲)

۱۹- جامع الجوامع کے نام سے ایک سے زیادہ کتابیں ہیں لیکن کون سی تاتارخانیہ کے ماخذ میں رہی ہے، اس کی تعیین کرنا دشوار ہے،

۲۰- فتاوی ناطقی مقدمہ تاتارخانیہ کی طرح کشف الظنون میں بھی صرف اس کا نام درج کرکے چھوڑ دیا گیا ہے، کسی کتب خانہ میں اس کا پتہ نہیں چلا،

۲۱- خزانۃ الفقہ تصنیف امام ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ خدیویہ (ج ۲ ص ۲۳) میں اس کا نسخہ موجود ہے

۲۲- الفتاوی الکبری حسام الدین ابو محمد عمر بن عبدالعزیز المقتول ۵۳۶ھ بانکی پور اور رام پور میں نسخے موجود ہیں

۲۳- الفتاوی الصغری - بانکی پور اور رام پور میں نسخے موجود ہیں،

۲۴- ینبوع النوازل، مقدمہ تاتارخانیہ میں صرف الینبوع کے نام سے اس کا ذکر آیا ہے، حاجی خلیفہ نے ینبوع النوازل کے نام سے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، مگر مصنف کا نام اور زمانہ تصنیف مذکور نہیں

۲۵- المختار، تصنیف ابو الفضل مجد الدین عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی متوفی ۶۸۳ھ خدیویہ (جلد ۲ ص ۱۲۶) میں اس کا نسخہ موجود ہے،

۲۶- المضمرات کو جامع المضمرات والمشکلات بھی کہتے ہیں، یہ قدوری کی شرح ہے، تصنیف شیخ یوسف بن عمر بن یوسف کادوری (حیدرآباد جلد ۲ ص ۱۱۰۶)

۲۷- فتاوی نسفی، تصنیف نجم الدین عمر بن محمد نسفی، معروف بہ علامہ سمرقندی متوفی ۵۳۷ھ، کسی کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے، اس وقت یاد نہیں آتا، کہ کس فہرست میں نظر سے گذرا تھا،

۲۸- الصیرفیہ (فتاوی آہو) تصنیف مجد الدین اسعد بن یوسف بن علی البخاری الصیرفی المعروف آہو، اس کا تذکرہ مقدمہ تاتارخانیہ میں نہیں ہے، حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ اس کا ذکر تاتارخانیہ میں آیا ہے،

۲۹- فتاوی الصدر الشہید کے متعلق بھی کشف الظنون میں مذکور ہے، کہ اس کا ذکر تاتارخانیہ میں آیا ہے، غالباً یہ شیخ حسام الدین مقتول ۵۳۶ھ کی الفتاوی الکبری ہی کا دوسرا نام ہے،

ماخذ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی دو کتابوں کے سوا جتنی کتابیں ہیں، وہ تقریباً سب چھٹی اور ساتویں صدی کی تصنیفات ہیں، بلکہ آٹھویں صدی کے ہمعصر مصنفین کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، صدر اول کی تصنیفات کو سامنے نہ رکھنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ چھٹی سے آٹھویں صدی تک کی اہم فقہی تصنیفات میں ان کے مباحث، دلائل اور فتاوی منتقل ہو چکے تھے لیکن دراصل ان کو نظرانداز کرنے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں سمجھی جا سکتی، خوشی کی بات ہے کہ آگے چل کر عالمگیر کے عہد میں یہ کمی پوری ہو گئی، اس لحاظ سے فتاوی عالمگیریہ کو تاتارخانیہ پر تقدم حاصل ہے

بایں ہمہ فتاوی تاتارخانیہ کی یہ اہمیت نظرانداز کئے جانے کے لائق نہیں کہ چھٹی سے آٹھوین صدی ہجری تک کی تین صدیون مین فقہ حنفی کا جو کچھ سرمایہ اکٹھا ہوا تھا، تاتارخانیہ مین اس کا عطر کھینچ کر آگیا ہے، اور اس لحاظ سے یہ کتاب بڑی قابل قدر ہے،

انتخاب فتاوی تاتارخانیہ

یہی وجہ ہے کہ عالم اسلامی کے علمی حلقون مین اس کو قبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ حلب کے ممتاز صاحب فضل اور فقہ حنفی کی مشہور تصنیف ملتقی الابحر کے مصنف شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم المتوفی ۹۵۶ھ نے جو قسطنطنیہ کی جامع سلطان محمد کی امامت، خطابت اور دیار رومیہ کے منصب افتاء پر فائز تھے، اس کا ایک انتخاب تیار کیا، کشف الظنون مین ہے،

ثم الامام ابراهيم بن محمد الحلبي المتوفى سنة ۹۵٦ه لخصه في مجلد وانتخب منه ما هو غريب او كثير الوقوع وليس في الكتب المتداولة والتزم بتصريح اسامي الكتب[1]	امام ابراہیم بن محمد حلبی المتوفی ۹۵٦ھ نے اس کی تلخیص ایک جلد مین تیار کی ہے، اور اس مین نادر اور ایسے کثیر الوقوع مسائل کو منتخب کیا ہے، جو بجز اس کے عام کتب متداولہ مین نہین پائے جاتے، اور کتابون کے نام کی تصریح کا التزام رکھا ہے،

شیخ ابراہیم حلبی کے مفصل سوانح حیات اعلام النبلاء ج ۵ ص ۵۶۸ وشذرات الذہب ج ۸ ص ۳۰۰ مین مذکور ہین، اور ان مین ان کی اس کتاب کا ذکر بھی آیا ہے،

فتاوی تاتارخانیہ کے نسخے

فتاوی تاتارخانیہ کے مختلف نسخے مختلف کتب خانون مین ہین، کتب خانہ مشرقی بانکی پور مین اس کی تین جلدین ہین، پہلی جلد نمبر ۱۷۱۵، کتاب الرضاع کے کچھ حصون پر آکر ختم ہوئی ہے، اسی طرح کی ایک دوسری جلد تین حصون مین تقسیم ہے، پہلا حصہ کتاب البیوع سے متعلق ہے، اس کے آخری حصے ۱۱۲۲ھ کے مکتوب ہین، ان مین کتاب الطلاق، کتاب الحدود، کتاب اللقیط، کتاب الآبان، کتاب المفقود، کتاب الشرکہ اور کتاب الوقف

کے ابواب مین، پھر پہلی جلد کا ایک دوسرا نسخہ کتاب الحج تک ہے، اس کے سرورق کی ایک تعلیق ہے جو ۱۱۵۲ھ کی لکھی ہوئی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ حافظ شیخ عبدالحق حیدرآبادی کی ملکیت مین رہ چکا ہے، نیز مفتی عبدالرحیم کی ایک مہر ۱۱۸۶ھ کی اس پر لگی ہوئی ہے[1]،

کتب خانہ خدیویہ مصر مین بھی اس کے چند نسخے موجود ہین، ان مین سے چوتھی جلد محمد نوری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ۹۶۲ھ کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی یہ تالیف نوین صدی مین عالم اسلامی مین پہنچ چکی تھی[2]،

اس کی سب سے زیادہ اور مکمل جلدین کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد مین ہین، اس مین پہلی سے نوین تک مسلسل نو جلدین ہین[3]، افسوس ہے کہ اس کتب خانہ کی فہرست بہت اجمالی چھپی ہے، جس سے کوئی مزید واقفیت حاصل نہین ہوئی،

رام پور کے کتب خانہ مین اس کے دو مجلد ہین، پہلا مجلد، جلد اول کا ہے، جو ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس مین کتاب الطہارۃ سے کتاب الوقف تک کے ابواب ہین، دوسرے مجلد مین ۹۸۲ صفحات مین، اس مین کتاب الکفالہ سے آخر کتاب الوصایا تک کے مضامین ہین، ان دونون جلدون کی تقطیع بڑی اور خط نستعلیق ہے[4]،

برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ مین ایک کتاب منہاج البیان کے اقتباسات کے ساتھ الفتاوی التاتارخانیہ کے اقتباسات بھی ہین، اس مجموعہ کا نمبر ۱۱۹۹ ہے[5]،

اس طرح ہندوستان کی یہ اہم فقہی تصنیف جو تیس جلدون مین بتائی جاتی ہے، ابھی تک

---

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹ ص ۱۵، ۱۶ [2] فہرست مخطوطات کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۲ ص ۲۸ [3] فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ۲ ص ۱۰۵۳، ۱۰۵۴ [4] فہرست کتب عربی، مخطوطات کتب خانہ رام پور ص ۲۲۳ [5] ضمیمہ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ص ۵۱۷،

قلمی شکل مین محض کتب خانون کی زینت بنی ہوئی ہے، حیدرآباد مین اس کے زیادہ مکمل نسخے موجود ہین، اور وہین دائرۃ المعارف' اور مجلس احیار المعارف النعمانیہ قدیم قلمی کتابون کی طبع واشاعت کی خدمتین انجام دے رہے ہین، کیا اچھا ہو کہ ہندوستان کا یہ علمی سرمایہ زیور طبع سے آراستہ کرلیا جائے، تاکہ اس کی اشاعت سے چھٹی سے آٹھوین صدی ہجری تک کے فقہ حنفی کے بہت سے علمی نوادر کا مرقع بن، ہندوستان کے عہد اسلامی کا ایک مایۂ ناز سرمایہ منظر عام پر آجائے، اور اہل علم کے حلقہ کی ایک ضرورت پوری ہو،

عمادی غزنوی

از
جناب غلام مصطفےٰ خان ام اے ال ال بی (علیگ) لکچرر کنگ اڈورڈ کالج (امراوتی (برار)

ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم کی فہرست (ج ۲- ص ۵۵۰) بعد مین عمادی کے بعض ممدوحین، اور اس کے بعض سنین کی تعیین کی تھی، پھر علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے بھی (بیست مقالہ ج ۲، ص ۲۶۵ بعد) عمادی کے بعض ممدوحین کے متعلق تحقیق کی ہے، لیکن ان دونون فاضلون نے اُس کلام کا تجزیہ نہین کیا، جس کو بعض کاتبون نے "عمادی" تخلص کے دوشاعرون کی بجائے ایک ہی کا سمجھ کر خلط ملط کردیا ہے، ہم یہان کوشش کرتے ہین کہ ایسے کلام کو علحدہ علحدہ کرکے ان دونون شاعرون کے درباری تعلقات کی وضاحت کرین، چنانچہ مسلم یونیورسٹی علی گڈہ کے مخطوطے کی طرف رجوع کرتے ہین اس مخطوطے مین بھی سب سے قدیم[1] ممدوح سیف الدین عماد الدولہ[2] فرامرز بن رستم بن قا[ن]

---

[1] مونس الاحرار (حبیب گنج، ص ۴۹۲) مین عمادی غزنوی کا ایک قصیدہ برکیارُق کے چچا ارغون (م ۴۸۹ھ / ۱۰۹۶ء) راحت الصدور، ص ۱۴۳) کی مدح مین ملتا ہے،

اے برسمن از مشک بجوازدہ خالے	مسکین دل من گشت زخال تو بحالے
شاہ ہمہ شاہان ملک ارغون کہ ندُ	درمردے و فرہنگ نظیرے و ہمالے

سید حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ / ۱۱۶۱ء) نے اسی کی تقلید مین ایک قصیدہ (مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۱۵۳) لکھا تھا جس کا مطلع یہ ہے :-

اے یافتہ از چہرۂ تو حسن کمالے	داوہ ست جمالیت خداوہ چہ جمالے

[2] اس ممدوح اور اس کے خاندان کے متعلق رابینو کی کتاب "مازندران" (ص ۱۳۵) اور ظہیرالدین کی

حاکم مازندران ہے، اس کی مدح میں متعدد قصیدے ہیں، کیونکہ یہ اس کا خاص ممدوح ہے، بلکہ صاحب راحت الصدور (ص ۲۱۰) نے لکھا ہے کہ شاعر نے اپنا تخلص اسی کے نام (لقب) "عماد الدولہ" کی وجہ سے اختیار کیا تھا، اس ممدوح کی حکمرانی کے متعلق تو کوئی بات تاریخ میں نہیں ملتی، البتہ اس کے باپ شمس الملوک رستم بن قارن کی حکومت (مازندران) کے بارے میں کہ وہ ۵۱۱ھ / ۱۱۱۷ء سے ۵۱۵ھ / ۱۱۲۱ء تک تھی، ضرور حال معلوم ہو سکتا ہے، یہاں شاعر کے مختلف قصائد کے چند ایسے اشعار نقل کرنا مناسب ہوگا جن سے اس ممدوح کے القاب کی توضیح ہو جائے،

قطب الملوک شاہ عماد دول کہ چرخ   هر ساعتے ز قدرتِ او امتحان برد

شاہ سیف الدین عماد الدولہ کز تعظیم او   از کفِ او هرچہ خواہد رایگان می افگند

قطب ملکان عمادِ دولت   کز حربِ زمانہ شد مسلم

سرمایۂ داد و دین فرامرز   کز هیبتِ او حصارِ داریم

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۱) تاریخ طبرستان (ص ۲۱۹ بعد) ملاحظہ فرمائیں، ریو (فہرست برٹش میوزیم ۲-۵۸۰ ب) کا خیال ہے کہ عمادی کا یہ شعر ظاہر کرتا ہے کہ عماد الدولہ کا باپ فرامرز تھا،

شاہ فرامرز زاد دولت و دین را عماد   خسرو مازندران سایۂ نیک اختری

یہی قرات ہمارے مخطوطے میں بھی ہے، لیکن علامہ قزوینی کا خیال (بیست مقالہ ۲-۲۶۹ ح) صحیح ہے کہ اس کے پہلے مصرع میں "زاد" کی بجائے "راد" ہونا چاہئے، یہاں بھی یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا، کہ اس شعر کے پہلے جتنے اشعار تمہید میں ہیں، وہ سب کے سب کلیات سنائی (غزلیات ص ۱۱۱، بمبئی ۱۳۲۸ھ) میں سنائی سے بھی منسوب ہیں، اور وہ قصیدہ سلطان بہرام شاہ غزنوی (م ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء) کی مدح میں ہے،

۵ علی گڈھ کے مخطوطے کی جو نقل راقم الحروف کو مل سکی ہے، اس میں کاتب نے اصل صفحات کے نمبر نہیں دیئے، اس لئے نمبر دینے سے مجبوری ہے،

لیکن یہاں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اس عماد الدولہ کی مدح کس عمادی نے کی تھی، ہم کو اسی مخطوطے کے حسب ذیل اشعار کی طرف رجوع ہونا پڑے گا،

اے مہر تو بر سپہر تمکین   ایمن شدہ از نماز پیشین

یک نکتہ بگوے تا بہ پیشت   جبریل امین شود شکر چین

از لطف بخند تا بماند   در پردۂ شرم شکل پروین

سرمایۂ جان عماد دولت   ملجار ممالک سلاطین

بے تو نہ بود کس و نہ باشد   مدحے نہ بود تمام تر زین

بے تو نہ کند ضمان تن جان   سر لیست درین سخن بہ تضمین

زین است کہ از دلم جدا نیست   هستی و بدن براہ غزنین

جستم ہمہ آرزو بہ تصریح   گفتم ہمہ رمزہا بہ تلقین

آن باد ترا کہ خواستہ داری   آمین دو راست بیش از آمین

چوتھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ اسی عماد الدولہ کی مدح میں ہے اور ساتویں شعر سے یہی وضاحت ہوتی ہے، کہ شاعر غزنین کا ہے، یعنی اس ممدوح کی تعریف عمادی غزنوی نے کی تھی، ذیل کے اشعار سے معلوم ہوگا، کہ شاعر ایک سال سے زیادہ عماد الدولہ کے دربار سے وابستہ رہا،

اے کافر عشق تو مسلمان   دے دیو ہوائے تو سلیمان

طاق است بہ عشق تو مجازی   بر طاق نہادہ وصل و ہجران

ہر چند مسلمی تو او را   در دولت شہریار ایران

قطب ملکان عماد دولت   سرمایۂ امن و پشت ایمان

شاہے کہ ز حضرتش رسیدہ   نزدِ ہمہ کس رسول احسان

عیداست شہا و عید بادین   رخ داشت ازین دیار پنہان

ممکن نہ بود بہ ہیچ جائے   عید این جا تو در خراسان

عید تو خجستہ باد ہرچند   بر من باشد ز عقل تاوان

زیرا کہ ہر آنچہ گفتم اول   زین قول ہمی شوم پشیمان

ہرچند ز بودن سہ فرزند   نتوان گفتن بہ وصفِ یزدان

سودیست زمایہ در گذشتن   این را عدم از وجود ایشان

سبحان اللہ شہ از تمامے   کارِ تو چنانک وصف نتوان

در نعمتِ تو نکو نہ باشد   خوردن غم خاندانِ ویران

چھٹے شعر سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر پچھلے سال کی عید مین وہین مازندران مین تھا لیکن اس کا ممدوح جیسا کہ ساتوین شعر سے معلوم ہوتا ہے، اس وقت خراسان مین تھا، دسوین شعر مین شاعر اپنے تین لڑکون کا ذکر کرتا ہے، اور آخر مین اپنے خاندان سے جو غزنین مین ہوگا، اپنی مہجوری ظاہر کر رہا ہے

اس ممدوح کی مدح مین متعدد قصیدے ہین جن سے خیال ہوتا ہے، کہ وہ زیادہ عرصہ تک مازندران مین رہا ہوگا، پھر اُس کا مرثیہ بھی ملتا ہے، جس کے کچھ اشعار راحت الصدور (ص ۲۷۲) مین بھی ہین،

در غم یار یار بایستے   یا غمم را کنار بایستے

تا بیابم ز روزگار مراد   مایام روزگار بایستے

عوضِ چرخ اگر نخواہی یافت   باز ماندہ شمار بایستے

در یکے غم چو جان بخواہم داد   یک چہ باشد ہزار بایستے

بر در دوست بار ممکن نیست   بر درِ صبر بار بایستے

مست و دیوانہ چند خواہم بود   زیرک و ہوشیار بایستے

این کہ من شرمسارم از مردم   بختِ من شرمسار بایستے

از فریبِ جہان عمادی را   نفسے زینہار بایستے

این ہمہ آرزو بیافتے   حضرتِ شہریار بایستے

شہ فرامرز کز معانیٔ او   اختران را شمار بایستے

چون مدارا نہ کرد باد مرگ   آسمان بے مدار بایستے

ایک رباعی بھی اسی مضمون پر ہے، جو ریو نے بھی نقل کی ہے،

اکنون کہ عمادِ دولہ در خاک آسود   از دیدۂ من خاک شود خون آلود

در خاک نہادہ چون توانم دیدن   آن را کہ مرا ز خاک برداشتہ بود

پھر ایک قصیدہ اسی عماد الدولہ کے لڑکے شمس الدولہ کے متعلق ملتا ہے، لیکن یہ ایسا شخص ہے، جس کے بارے مین تاریخ خاموش ہے۔ وہ قصیدہ یہ ہے :-

ہر کرا عشقت اختیار کند   بے قراری برو قرار کند

گلِ رخسار تو بدست خیال   دیدہ ہا را ز خواب خوار کند

بوے زلفت بہ ہر کجا کہ رسد   صفتِ بوے شہریار کند

شاہ شمسِ عمادِ دین و دول   کہ بدو عالم افتخار کند

ملکے خسروے، خداوندے   کہ کفش طعنہ بر بحار کند

آن شہی کز رکابِ عالیٔ تو   عقل افعال گوشوار کند

ہرچہ نقشِ وجود یافت کہ آن   بہ رضاے تو خواستار کند

بخدائے و رسولؐ و نعتِ تو — کہ از آن نعمتش گذار کند

لالہ دل باشد و چو در پشیت — قامتِ خود بنفشہ وار کند

عید را مہرگان بہ میدان تاخت — تا زدرگاہ تو دراز کند

تا گمرسیِ تو بہ عیدِ رضا — مہرگان را امیدوار کند

اگر آخری اشعار سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ عید مہرگان میں کبھی ہوئی تھی تو وہ زمانہ ممکن ہے کہ ۵۲۲ھ / ۱۱۲۸ء کا ہو، بہرحال مازندران کے بعد وہ محمود بن محمد بن ملک شاہ (المتوفی ۵۲۵ھ / ۱۱۳۱ء) کے دربار میں آیا ہوگا، جہاں اُس نے یہ قصیدہ پڑھا ہوگا،

برآنی کہ غم بر دلِ من گماری — من از غم نہ ترسم بیا تا چہ داری

نہ نالم ز غم گرچہ بسیار باشد — ولیکن بنالم ز بے غمگساری

ز خواریِ ہجر تو سر بر نتابم — کہ رسم قدیم است در ہجر خواری

کہ با تو بس آید کہ ہمچون عمادی — بہ ہر حال در کار خود مرد کاری

بہ آئین نگاری بہ شکر انہ باید — کہ مدح خداوند بر جان نگاری

قسیم درم را و محمود بن غشس — کہ بر چرخ دا ایش کند بد باری

ہمارے مخطوطے میں اس محمود سلجوقی کے متعلق کچھ اور نہیں ملتا، لیکن اُس کے بھائی طُغرل بن محمد بن ملک شاہ (م ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء) کی مدح میں دو قصیدے ملتے ہیں، ایک یہ ہے:-

اے زلف و رخت سپہر و اختر — وے روے و لبت بہشت و کوثر

طوطی سیاہ گوشہ بر لب — طاؤس سپید کار در بر

از دوستیِ رُخِ تو ما را — آید غم تو بہ بوے مادر

از ما بپذیر جان اگرچہ — در خورد تو نیست این محقر

جز روح امین مگس نہ باشد — آن جا کہ لبِ تو گشت شکر

از خشک لبِ عمادی آخر — بشنو غزلے چو چشم او تر

تا تازہ کند حکایتِ تو — در بارگہ شہ مظفر

سلطان سپہر قدر طغرل — کو قبّۂ دانش است برتر

خاکِ درِ اوست چرخِ اعظم — عشر کفِ اوست بحر اخضر

لیکن دوسرا قصیدہ اہم ہے، کیونکہ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ اسی عمادی (غزنوی) نے طغرل وغیرہ کی مدح کی تھی، وہ قصیدہ یہ ہے:-

دلم از دست بردۂ جانی — چہ کنم با تو دوستی جانی

خونِ خود خوردم و بخواہم خورد — از پئے وصلِ تو پشیمانی

جاودان مان کہ در عشقِ تو بود — کہ عمادی شدہ ست سلطانی

آئین بوسِ تو شود گردون — گلستان بوس شاہ ایرانی

شاہ طغرل کہ پیش گاہ ازل — آیتے ساختش جہان بانی

شہر یارے کہ شحنۂ رایش — رفت بالا ز حدّ امکانی

تنگ حالی نہ وہم پیدا کرد — جاہ او در فراخ میدانی

گر دحش جہان بگیرد اگر — دامن طبع من نیفشانی

زان نشستی بہ تخت جدّ و پدر — تا در آفاق فتنہ بنشانی

ثالثت گفتم، ار چہ نتواند — گفتن اندر ثنا ترا ثانی[1]

[1] سید حسن غزنوی نے ۵۳۰ھ کے قریب مجدالدین ابوالحسن عمرانی کی مدح میں لکھا تھا، جو اسی زمین میں ہے:-

اے کہ تن را دل و دل را جانی — از دل و جان چہ بگو ترا آنی

تیسرے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عمادی نے اپنا تخلص اس دربار مین آکر بدل دیا ہے، اور عمادی کی بجائے وہ "سلطانی" ہوگیا ہے، راحت الصدور (ص ۲۰۹) مین اسی مازندرانی مداح (یعنی عمادی غزنوی) کو اس ممدوح سے وابستہ کہا گیا ہے، اور چونکہ اوس کے مؤلف کا زمانہ شاعر سے قریب تھا، اس لئے ماننا پڑتا ہے، کہ وہی عمادی ہوگا، اور وہ طغرل کے دربار مین آگیا ہوگا، نوین شعر مین ممدوح کے والد محمد اور دادا ملک شاہ کے متعلق بھی اشارہ کیا ہے، اسی شعر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ طغرل کی تخت نشینی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہوگا، جب کہ یہ قصیدہ شاعر نے پیش کیا ہوگا، وہ زمانہ ۵۲۵ھ / ۱۱۳۱ء کا ہوگا،

شاعر کو طغرل سلجوقی کے دربار تک رسائی ایک "امیر بار" قتلغ کے ذریعہ ہوئی تھی، تاریخ مین اس شخص کا نام بھی نہین ہے لیکن اس قصیدہ مین اس طرح ہے :-

دست در ہم نمی کند کارم	پاے مردی نمی کند یارم
چہ کنم قحطِ مردمی ست آوخ	باکہ گویم کہ راست کن کارم
فرد در کاسہ ام کہ قلاشم	دست بر کیسہ ام کہ طرارم
لقبم دادہ اند سلطانی	چون عمادی چرا چنین خوارم

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۷) انوری نے بھی اسی زمین اور اسی کی مدح مین لکھا تھا :-

دلم اے دوست تو داری دانی	جان ہمبر نیز اگر بتوانی

سنائی نے بھی عمادی غزنوی کی تقلید کی تھی، جیسا کہ کلیات (ص ۶۰) مین ہے :- ع بر ہمہ خوبان عمادی من کشادم این فنع، تحمیات (ص ۸۰) مین سنائی کا جو قصیدہ قاضی حسن کے متعلق ہے، اس کے متعلق عمادی غزنوی نے (مجموعۂ قصائد فارسی ۷۹ ص ۲۰۰، حبیب گنج) کہا ہے،

چون سنائی او فتاد از خطۂ غزنین بہ بلخ	تازہ کرد از مدحت قاضی حسن روی سخن

اس کی تفصیل ہم معارف (ستمبر ۱۹۲۲ء ص ۲۰۰) مین بھی دے چکے ہین،

ہمہ عیبم جز آن کہ دُر شنا	بر سرِ میر بار می بارم
عز الدین خداے قُتلغ آن	کہ ز انعام او گران بارم
در ہنر خواجۂ جہانم زانک	بہ غلامیِ اوست اقرارم
اعتمادم بر آستانہ تست	کہ بدو حقِ عمر بگذارم
جز بہ تقلید تو نہ پذرفتند	زیرکانِ زمانہ اشعارم
از تو سلطان شناختم گرنہ	من و سلطان کجا سزاوارم
نہ خورم غم چرا خورم کہ توئی	از پئے ہر مرادِ غم خوارم

چوتھے شعر مین صاف طور پر کہا گیا ہے کہ یہ نیا لقب (تخلص) "سلطانی" عمادی کی بجائے اختیار کیا گیا ہے، اور چونکہ طغرل کے دربار مین وہ تبدیلی ہوئی ہے، جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہین، تو ظاہر ہے کہ (شعر ۵-۷) "امیر بار" قتلغ بھی اُسی دربار سے وابستہ تھا، اور اُسی کی سفارش (شعر نمبر ۱) پر ہمارا شاعر طغرل تک پہنچ سکا تھا،

طغرل کے دربار مین پہنچ پر اوس کے وزیر قوام الدین ابوالقاسم (م ۵۲۶ھ / ۱۱۳۲ء) کی مدح بھی کی تھی لیکن ایک ہی قصیدہ اس کی مدح مین ملتا ہے، اس لئے اغلب ہے کہ اس کے قتل (۵۲۷ھ) تک مدح سرائی کا موقع کم ملا ہوگا، وہ قصیدہ یہ ہے :-

لہ لباب (جلد ۲ ص ۲۶۲ - ۲۶۰) مین دو قصیدے اور بھی طغرل کی مدح مین ملتے ہین، دوسرے قصیدے مین (لباب ص ۲۶۰ سطر ۱۲) امیر بار کی طرف اشارہ ہے لہ آثار الوزراء (ق ۱۸۲ - الف - بانکی پور) مین کچھ اور اشعار اس کی مدح مین عمادی غزنوی کے ملتے ہین، مثلاً :-

گردون تو می فرازی چون خوانت سحاب	سلطان تو می نشانی چون گومیت وزیر
از مہر تو ستاند و از کین تو دہد	ابروے شام وسمہ و پستان صبح شیر

چشمے کہ ز تو نگار گیرد در خونِ جگر قرار گیرد

بگرفت مرا غمِ تو باری ہر روز چو من ہزار گیرد

در کوے تو ہر شب آسمان را گیر و غمِ عشق و زار گیرد

وقت است کہ در غمت عمادی جان و دل و دیدہ خوار گیرد

چون نامِ تو گویم از سرِ شرم انگشتِ سخن نگار گیرد

بس ہر چہ ترا بدو رساند از صاحبِ روزگار گیرد

بوالقاسم آن کہ از در او انصاف بہ نام کار گیرد

از دستِ جہان کند قوی تر دستے کہ بہ زینہار گیرد

اے آنکہ بیک صریرِ کلکت پہنائے زمین سوار گیرد

چون شعلۂ خشم تو بر آید ابروے زحل شرار گیرد

بازیست خجستہ نامۂ تو کز چشم قضا شکار گیرد

اسی طرح ایک قصیدہ اس کے لڑکے جلال الدین کی مدح میں بھی ہے، جو محمد بن محمود بن محمد اور سلطان بن طغرل بن محمد وغیرہ کا وزیر ہوگیا تھا، وہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

دل و جانم بہ عشقِ تو گرو اند ہمہ عالم بدین حدیث درند

زلف در روے دلبت نیا میزد ہمہ از یک دگر شگرف تر اند

تو نیاری و لیک از غمِ تو ہمہ آفاق یار یک دگر اند

آہوان اندزیر غمزۂ تو کہ بجبز مرغزار جان نچرند

عشق بازان روے تو بہ نیاز مدح سازانِ صدر وادگرند

مقصد آسمان جلال الدین کہ دو دستش ز جود بار ورند

اے ہنر پرورے، سخا پیشہ کہ ترا بر زمین تملک شمرند

در زمانہ بدین نظر کہ تراست شرق و غرب از تو طالع نظرند

خواجگانِ جہان غلامِ تو اند گرچہ از تو بہ سال بیشتر اند

اسی زمانہ میں اس عمادی نے جیسا کہ راحت الصدور (ص ۲۰۹) سے معلوم ہوتا ہے ایک مشہور واعظ عبادی کی مدح بھی کی تھی، اس کا پورا نام ابن خلکان نے (المظفر) ابو منصور المظفری بن ابی الحسین بن اردشیر ابن ابو منصور العبادی المروزی الواعظ لکھا ہے، اس عبادی (المتوفی ۵۴۷ھ) کی مدح میں دو قصیدے ملتے ہیں، پہلا یہ ہے:-

رہ می رویم و دیدہ بہ رہبر نمی رسد کان می کنیم و تیشہ بہ گوہر نمی رسد

مالش دہیم خاکِ سیہ را بہ آبِ سرخ چون دستِ ما بہ زردی اختر نمی رسد

بے نامۂ ہدایتِ تو در طریقِ سمع پیکِ سخن بہ منزلِ باور نمی رسد

بر آستانِ جاہِ تو چرخ ار نہ داد بوس عذرش قبول کن کہ مگر بر نمی رسد

تعبیرِ رمزِ عشق میاموز عقل را از بہر آن کہ یک کلمہ در نمی رسد

شوقِ شرابِ عشقِ تو در ہر سحر گہے الا بکامِ مفخر کشور نمی رسد

رنگِ درنگِ گوہرِ عبادی آن کہ زاد صد خیر می رسد کہ یکے شر نمی رسد

بے عقدِ عنبرینہ درحش ز ہیچ ملک مشکِ شرف بہ عارضِ داور نمی رسد

اے خلد مجلسے کہ ترا نیست ہیچ لفظ کز وے بما معائنہ کوثر نمی رسد

بے خیمۂ صلاحِ تو در بوستانِ زہد لالہ نمی شگوفد و عبہر نمی رسد[1]

اس قصیدے کے سلسلے میں راحت الصدور (ص ۲۰۵) میں جو حکایت درج ہے، اس کا نقل کرنا

---

[1] اس قصیدے کا چوتھا شعر میں نے راحت الصدور کی قرأت کے مطابق نقل کر دیا ہے، ورنہ علی گڈھ کے

بھی مناسب ہوگا، مؤلف لکھتا ہے :-

"شنیدم کہ عمادی کہ از شاعران او (طغرل بن محمد بن ملک شاہ) بود، بر عبادی قصیدہ
می خواند کہ شعر :-

رہی ردیم و دیدہ بہ رہبر نمی رسد   کان می کنیم و تیشہ بہ گوہر نمی رسد

عبادی بر سر منبر بود، عمادی بدین بیت رسید کہ

بر آستان جاہ تو چرخ ار نہ داد بوس   عذرش قبول کن کہ مگر بر نمی رسد

عبادی گفت، امیر عمادی ہر آرزو کہ دارد بخواہد، عمادی ملازم قاضی را با خود داشت، گفت
ہزار دینار سرخ قرض مجوسم و موکل این است، و جوہ قرض می باید، عبادی سر فرو برد، یکے از
مریدان گفت بود، عبادی سر بر آورد، گفت، امیر عمادی چو ہزار دینار با قرض دہد، فردا
دیگر قرضش باید کہ بخورد، مریدے دیگر گفت، ہزار دیگر بود و عمادی بیاسود"

عبادی کی مدح کے دوسرے قصیدے کے بھی کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں :-

قد قامت القیامہ کجا عشق داد بار   بل عشق صعب تر ز قیامت ہزار بار

اول قدم کہ عشق پیادہ کند فرود   آخر نفس بسود شود بر فلک سوار

کشتی کائنات درین بحر غرقہ شد   بے آن کہ اوفتاد یکے تختہ بر کنار

در زین مت از پہن کہ شکست بارگی   صف مرد برہنہ کہ سخت است کارزار

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) مخطوطہ میں وہ اس طرح تھا :-

بر پایہ سریر تو گر جان نہ داد بوس   عذرش قبول کن کہ مگر ر نمی رسد

اسی تیسرے شعر میں علی گڈھ والے مخطوطے میں "طاق" صحیح ہے، لیکن جامعہ عثمانیہ کے مخطوطے (نمبر ۲ ۵ / ۱۲۱)
میں طاق صحیح ہے۔

دست از پے دعا چہ بر آری پس از نماز   سر را دولت بہ پیش شیاطین فگندہ خوار

از خیط نا عبادی اگر خیط بایدت   شو دست زن بہ دامن عبادی استوار

اسی زمانہ میں شاعر کو ایک اور ممدوح عبد الرحمن بن طغایرک ملا ہوگا، یہ سلطان مسعود بن محمد بن
ملک شاہ دوم (۵۴۷ھ / ۱۱۵۲ء) کا ایک امیر تھا، جو سلطان کے اشارہ پر ۵۴۱ھ / ۱۱۴۶ء میں مارا گیا تھا، اسی کی مدح میں اٹھ بند
کا ایک طویل ترکیب بند ملتا ہے، ہم یہاں اس کے صرف دو شعر نقل کرتے ہیں جن میں اُس کا نام آیا ہے،

عبد الرحمن کہ گر بخواہد   از ہفت سپہر شش بکاہد

عبد الرحمن کہ نوک پیکان   بر دیدۂ مشتری نگارد

ان میں کا پہلا شعر ابن اسفندیار کی تاریخ طبرستان (مترجمہ براؤن ص ۵۹) میں اس سلسلے
میں منقول ہے، کہ عبد الرحمن جس کی مدح شاعر نے اس طرح کی ہے، ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ساتھ
اردبیل مقام سے اسپہبد علاء الدولہ علی بن شہریار بن قارن (۵۱۱ھ / ۱۱۱۷ء تا ۵۳۵ھ / ۱۱۴۰ء) کے پاس آیا تھا، اور
چند روز مہمان رہ کر واپس چلا گیا تھا،

اسی عبد الرحمن کے لڑکے فخر الدین کی مدح میں بھی ایک قصیدہ ملتا ہے :-

رائیگان رُخ نہ می نماید یار   بہ سخن راست می نہ گردد کار

از فریب و عتاب او فریاد   وز حساب و کتاب او زنہار

با دل ست این سخن نہ با قالب   با سرا سے سخن نہ با دستار

می پذیرد کنار و بوس و لیک   از پے عمر کو پذیرفتار

این چنین زندگی کہ آن من ست   می کنم چون عمادی استغفار

وائے این ہمنشین کہ چیست مرا   آرزو زان نگار خوش گفتار

بوسہ لب بخواہ و دست بشو   کا فرم گر کنم حدیث کنار

گرلب اوست نیست در بر ہست
ہم اسپ خدایگان کبار

تخت بخش زمانہ فخر الدین
کز جوائی او گریزد عار

ممکن ہے کہ یہ قصیدہ شاعر نے عبدالرحمن کے قتل (۵۴۱ھ / ۱۱۴۶ء) کے بعد لکھا ہو جب کہ اس کا (یا) فخر الدین بغداد کی شحنگی سے معزول ہو کر ختلان (راحت الصدور ص ۲۲۳-۲۳۰) کا حاکم بنایا گیا تھا، اس کے بعد شاعر ۵۴۵ھ / ۱۱۵۰ء کے قریب وفات پاتا ہے، جیسا کہ ابوالعلاء گنجوی کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے :-

سخن وران بمن امروز اقتدا آرند
روا بود کہ مسلم شدہ ہمہ شعرا

چون رفت جان عمادی بمن گذاشت عماد
چو شد روانِ سنائی بمن گذاشت سنا

تبارک اللہ پنجاہ و پنج بشمردم
بشصت باشد بشتم چو شصت گشتہ دوتا

بعقد ستین گشتہ ست پنجہ عمرم
گہ وداع رحیل ست ازین فنا رفنا

سر ملوک منوچہر مہر چہر کزو
شدہ ست زندہ و فرخندہ خاندان بنا[۱]

ان اشعار سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

(۱) دوسرے شعر سے ظاہر ہے کہ سنائی غزنوی اور عمادی (غزنوی) اس وقت تک انتقال کر چکے تھے، یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ دوسرے عمادی (شہریاری) کے اشعار بہت بعد کے عہد تک کے ملتے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ عمادی غزنوی ہی ہوگا، جس کی وفات کی خبر اس شعر میں ہے،

[۱] ان اشعار کے متعلق تفصیل ہم معارف (ستمبر ۱۹۳۲ء ص ۱۹۵) میں دے چکے ہیں، بعد میں استادی ڈاکٹر ہادی حسن صاحب کی کتاب "فلکی شروانی" دیکھی، اس میں (ص ۹۵) بھی کچھ اشعار ہیں، لیکن سلسلے کے ساتھ نہیں ہیں، اس لئے یہ اشعار ضروری ہیں،

(۲) تیسرے اور چوتھے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ ابوالعلاء گنجوی کی عمر اُس وقت ۵۵ سال کی ہو چکی تھی، اور چھٹی دہائی میں تھی،

(۳) منوچہر خاقانِ شروان اس وقت زندہ تھا، موسیو خانیکوف (Thanikoff) نے تذکرۂ خاقانی (اورنٹیل کالج میگزین اگست ۱۹۳۶ء ص ۵۲) میں ابوالعلاء گنجوی کی مفروضہ تاریخ پیدائش ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء اور ۴۹۰ھ / ۱۰۹۶ء کے درمیان بتائی ہے، اس حساب سے وہ اشعار شاعر کی ۵۵ سالہ عمر میں یعنی ۵۴۰ھ / ۱۱۴۵ء اور ۵۴۵ھ / ۱۱۵۰ء کے درمیان لکھے گئے ہوں گے، یعنی جب کہ عمادی اور سنائی قضا کر چکے تھے، لیکن عجیب ہے کہ سنائی نے ۵۴۲ھ / ۱۱۴۷ء میں معزی کا مرثیہ لکھا تھا، اس لئے وہ اشعار یقیناً ۵۴۲ھ کے بعد کے ہوں گے، اب دوسری طرف آئیے تو معلوم ہوگا کہ منوچہر جس کی وفات زمباور (Manuel - Zambou ص ۱۸۲ De Genealogie -) کے قول کے مطابق ۵۵۰ھ / ۱۱۵۵ء ہے، ان اشعار میں ممدوح ہے تو ثابت ہوا کہ وہ اشعار ۵۵۰ھ کے پہلے اور ۵۴۲ھ کے بعد کسی وقت اُن شعراء کے انتقال کے بعد لکھے گئے ہوں گے، اغلب ہے کہ وہ زمانہ ۵۴۵ھ ہی کا ہوگا، جب کہ سنائی کی وفات (محققین کے نزدیک) ہوئی تھی،

اب ہم دوسرے شاعر یعنی عمادی شہریاری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو عمادی غزنوی (م ۵۲۵ھ) کے بہت بعد تک زندہ رہا ہے، علی گڈھ والے مخطوطے میں ایک قصیدہ یہ ملتا ہے :-

زان گہ کہ در تصرفِ این سبز گلشنم
در کام اژدہائے نیاز است مسکنم

در حلق ہمچو حلقۂ دامی شود مرا
ہر دانۂ کہ از پئے صیدے پراگنم

محتاجِ آب و دانہ نیم از برائے آنک
غم جائے نان و آبِ گرفتہ ست در تنم

باز سپید و انشنم و در ہمہ جہان
جز آستانِ شاہ نہ باشد نشیمنم

خسرو ملک طغان کہ ز بس لطف شاملش
از منتِ عطائے وی آسودہ شد تنم[۱]

[۱] یہ قصیدہ دراصل سید حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ / ۱۱۶۱ء) کی تقلید میں ہے، جس نے ۵۴۵ھ میں لکھا تھا :-

اس قصیدے مین ممدوح ملک طغان ابن ملک مؤید آی آبہ (۵۶۹ھ / ۱۱۷۴ء تا ۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء) حاکم نیشاپور ہی، اس سے ظاہر ہے کہ وہ عمادی غزنوی (المتوفی تا ۵۲۵ھ / ۱۱۵۰ء) کا قصیدہ نہین ہے، بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ عمادی شہریاری کا ہو، کیونکہ مختلف تذکرون مین اُسی سے منسوب ہے، اور ایک ہی مجموعے مین پایا جاتا ہی، اسی طرح ذیل کا قصیدہ ہے، جو غلطی سے لباب (ج ۲، ص ۲۵۰ بعد) مین عمادی غزنوی سے منسوب کر دیا گیا ہے :-

گنبد مشکین شد وست چرخ زبوئے بہا   غالیہ پیوند گشت با وز رخسار یار

خسرو گردون کمند شاہ جہان پہلوان   آن کہ کمندکوہ را ہیبتِ او اشکبار

بر در تو می رود عمر عمادی خوش است   گرچہ یقین داند آنک عمر نہ باشد دو بار

یہ قصیدہ آتابک محمد جہان پہلوان" (۵۶۸ھ / ۱۱۷۲ء تا ۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء) کی مدح مین ہے گو کہ علامہ قزوینی (بیست مقالہ ج ۲ ص ۲۶۹، سطر ۲-۵) کو اس مین شک ہے، غالباً اس وجہ سے کہ "جہان پہلوان" کسی بھی بادشاہ کا خطاب ہو سکتا ہے، اور انھون نے یہ بھی کہا ہے کہ

"این مدت طویل برای دورۂ نوالیت شاعر با اندازۂ نادراست ولے مستبعد نیست عادۃً"

لیکن اُن کا یہ خیال محض اس وجہ سے ہے کہ انھون نے بھی ایک ہی عمادی تصور کیا ہے، حالانکہ دو شاعر اس تخلص کے تھے، میرا خیال ہے کہ یہ قصیدہ آتابک محمد "جہان پہلوان" ہی کی مدح مین ہے، بلکہ اس کے بہت بعد کے شہاب الدین غوری کے بھانجے ملک ناصر الدین الب غازی والی ہرات (المتوفی ۶۰۰ھ) لباب، ج ۱، ص ۳۳۱) کی مدح مین بھی چند اشعار اسی عمادی شہریاری سے منسوب ملتے ہین، اور وہ

(بقیہ حاشیہ ۱۹۵) جان می برد بہ عشرتِ حوران گلشنم   دل می کشد بہ خدمتِ دیوانِ گلخنم

از سال پانصد و چہل و پنج گو کیا   در من نگر کہ معجزۂ مجد خود منم

لباب (ج ۱، ص ۱۸۱-۱۹۱) مین دو اور شاعرون کے اشعار اسی زمین مین ملتے ہین،

شمس الدین محمد کی کتاب المعجم (مرتبۂ قزوینی، ص ۲۰۰) مین اس طرح ہین :-

تا چند زصحبت مجازی   تا کے سخنانِ نا نمازی

خود قول بود بدین دروغے   خود عشوہ بود بدین درازی

اکنون بارے شکر فراخ ست   یعنی لب لعل الب غازی

ہمارے مخطوطے مین ان ممدوحین کے علاوہ کچھ اور بھی ہین، جن کے متعلق تاریخ بالکل خاموش ہی، اسی لئے یہ فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے کہ ایسا کونسا کلام کس عمادی کا ہو سکتا ہے، تاہم اُن اشعار کا نقل کر دینا مناسب ہو گا، جن سے اُن کی شخصیتون پر روشنی پڑ سکتی ہے :-

مشروحِ روح منتخب الدہر کز شرف   رایش برادج گنبد دوار می رود

مہدی خرد محمدِ نعمان کہ از ہنر   بر سیرتِ محمد مختار می رود

چون نسب گوئی امیر ابن الامیر   چون لقب جوئی مجیر ابن النظیر

بہ ہمہ روزگار لاف نجات   از درِ سید امام زدہ ایم

فرق فرقد امام قطب الدین   ہمگی دین کدام قطب الدین

ناصر الدین پہلوانِ سخن   پہلوانِ خدایگانِ سخن

تکیہ گاہِ افاضلِ دنیا   آن کہ او را نہ دیدہ کس ہمتا

از بہر پناہ می نیاید   جز عز الدولہ شہریاری

عبد الواحد کہ گوش گردون

نشنید چنو زمانہ وارے

مراو ہمایون کفِ عبد الجلیل   نسختِ اقبال زعلین تا بہ لام

عنصر دولت محمد شرف الدین   کز کفِ او حاصل بحار بر آمد

ـــــــــــــ
۵ عبد الصمد اکرم الخلایق | سرمایۂ بخت جاودانہ ۵
ـــــــــــــ

۱ سید حسن غزنوی کا بھی ایک ممدوح عبد الصمد ہے، جو عباسی ہے :-

گہر نتیجۂ بحراست بر خلاف قیاس	نتیجہ آمد بحرے زگوہر عباس ۱
ابو المحاسن عبد الصمد کہ بخت اوبہ	بنائے دولت او را بہ دو نہاد اساس

اسی عہد مین عبد الواسع جبلی (م ۵۵۵ھ) کا بھی ایک ممدوح اس نام کا ہے لیکن وہ سید یا علوی ہے :-

عبد الصمد عزیز ملوک و نصیر دین	کز عقل ہست عاقلہ نسل بو البشر ۲
نور و سرور چشم و دل حمزہ و علی ۳	آن مایۂ بزرگی و پیرایہ ہنر

اس کے متعلق ہم معارف (ستمبر ۱۹۴۶ء) مین دے چکے ہین، الباب (ج ۲- ص ۱۲۴) مین ادیب صابر کے تین شعر کسی عمادی کے متعلق ملتے ہین، ممکن ہے کہ وہ غزنوی کے متعلق ہون،

ـــــــــــــ

ہندوستان کی کہانی

ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان مین لکھا گیا ہے، تاکہ ہمارے مکتبون اور ابتدائی مدرسون کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکین، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچون کے نصاب مین شامل کیا جائے، تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا ہین، از مولوی عبد السلام قدوائی ندوی،

ضخامت :- ۲، صفحے،

قیمت :- ۲ر

"منیجر"

ہندوستان مین علم حدیث

(بہ سلسلۂ امام شوکانی)

از

مولوی ابو یحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

(۲)

امام شوکانی کی ممتاز و مجتہدانہ تصنیف منتقی کی شرح (نیل الاوطار) من اسرار منتقی الاخبار کو اسی نسبت سے تمیز و تسادی فی العقائد کے تعلق سے امیر الملک ہی نے چھپوا کر اقصائے عالم مین پھیلایا، متن مین نیل اور حاشیہ پر عون الباری لحل ادلۃ البخاری ہے، یہ نواب صاحب کی تالیف ہے، نسخۂ صدیقی کے بعد ایک مرتبہ نیل الاوطار اور بھی چھپی، مگر اب دونون نایاب ہین،

امام اور نیل الاوطار کے تذکرہ مین امیر الملک کی مملکت علم کے اس باب کا حوالہ قلم کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ ممدوح ایسی کتابین کہان سے کس طریق سے اور کن حضرات کی وساطت سے حاصل فرماتے تھے، اس کا کچھ حال اپنی ایک مختصر تالیف العلم الخفاق من علم الاشتقاق مین فرماتے ہین، معارف (ج ۲۵ نمبر ۳ ص ۱۶۲) بضمن تنقید المبین اس کا ذکر جناب سید صاحب زاد مجدہٗ کے قلم سے بھی آچکا ہے،

علم الاشتقاق ...... کا یہ باب جو ص ۱۱۲ سے ۱۳۵ تک مین پھیلا ہوا ہے، بہت ہی دلچسپ ہے، وہ وہ تمام خط و کتابت من و عن درج ہے، جو اس سلسلہ مین جاری رہی، چنانچہ ۲۸، اہلِ علم تھے، جو امیر ملک کی ہدایت کے مطابق ان جواہرات کی جستجو حجاز مین کرتے رہے، اور معادن نجد سے یہ ہیر

نکالے گئے، اسی طرح بازار مصر میں اس یوسف گم گشتہ کی تلاش جاری رہی، ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں یہ موتی ڈھونڈے گئے، اور مولانا علی عباس چریا کوٹی، دکن (دولت خداداد حیدرآباد دکن) میں سرگرم جستجو ہوئے[1] اور ممالک حجاز میں شیخ حسین بن محسن انصاری (۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) جیسے تیز نظر جوہری قرینہ بقرینہ نظر جمائے رہے، یہ حضرت نواب کے شیخ فی الحدیث بھی تھے، نور حسن صدیقی کے سرخیل یہی عرب شیخ ہیں ان کے زمانہ قیام بھوپال میں شاگرد اپنے استاذ سے احادیث کے مآخذ میں استمداد کرتے ہیں، ایک ایک حدیث پر شیخ کی خدمت میں کچھ نہ کچھ رقم پیش ہوتی ہے، اللہ اللہ یہ کیسی شاہانہ علم نوازی تھی،

بکوے میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود!
کہ جوش شاہد و ساقی و شمع و شعلہ بود!

شیخ گرم ملک کے باشندے ہیں، جلال میں آکر نواب والا جاہ امیر الملک بھوپال سے ایسے الفاظ بھی کہہ دیتے تھے، جو شیخ کے مزاج کے تو موافق تھے، مگر ہندوستان کے ایک والئی ریاست کے لئے جو تخت شاہی پر متمکن ہو، سر پر شاہی چتر، جلو میں خدم و حشم ہوں برداشت کرنا، اس کے غیر معمولی تحمل و برداشت کی دلیل ہے،

درخرابات مغان نور خدا می بینم
دین عجب بین کہ چہ نورے زکجا می بینم،

سر پہ کلاہ و چتر ہی سہی، مگر صفتیں سب درویشانہ تھیں، اور ایسے درویش کہ نرگس ہزاروں سال اپنی بے نوری پہ رو کر صدیق الحسن جیسا دیدہ ور پیدا کر سکی،

ہر نکتہ کہ گفتم در وصف آن شمائل
ہر کس شنید او گفتا للہ در قائل

[1] مرآۃ الاشتقاق ..... ص ۸۱ تا ۸۶

ان کے شیخ الحدیث کی زبان سے جو کچھ ادا ہوتا لب لعل شکر خا سمجھ کر جواب تلخ بھی گوارا کر لیتے، پروردۂ مہد علم ہیں، پروان چڑھے تو نعمت علم کے دوش پر کھولت میں بھی عصائے پیری علم ہی ہے،

سر تسلیم من و خاک در میکدہ ہا
مدعی گر نکند فہم سخن گو سر و خشت

اور ان ۲۰ حضرات کی اس خط و کتابت میں سے جو تلاش نوادر کے لئے ہے، صرف جناب شیخ حسین محدث یمنی الانصاری کے توسط سے جو گرانمایہ جواہر دستیاب ہوئے، ان میں نیل الاوطار کی ساتوں جلدوں کے علاوہ حسب ذیل کتابیں تھیں،

۱- "تیسیر البیان للموزعی مجلد"
۲- "قوت المغتذی علی الترمذی للسیوطی
۳- "حاشیہ علی النسائی
۴- ادب الکاتب
۵- نثر الجواہر علی حدیث ابی ذر للشوکانی،
۶- الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید،
۷- رسالتین فی رد القول بفناء النار،
۸- رسالہ للشوکانی ایضاً فی مذہب السلف من اجزاء الصفات علی ظاہرہا من غیر تاویل،
۹- تفسیر ابن القیم، اس نام سے ایک کتاب ملی، جو دراصل علامہ ابن جوزی کی تفسیر مسمی زاد المسیر تھی،
۱۰- فتاوی الشوکانی،
۱۱- حاشیہ تیسیر الوصول،

۱۲- روح الروح[۱]

۱۳- فتح الباری مع مقدمہ کا نسخہ فقیہ عمر سندھی کے اخلاف سے حاصل ہوا،

۱۴- الدرر الفاخرۃ الشاملہ لسعادۃ الدنیا والآخرۃ

اس کے بعد حضرت شیخ حسین بن محسن محدث الانصاری کی سعی و برکت سے ۱۲ ربیع الاول ۱۲۹۴ھ تک ذیل کے خزائن علم امیر ملک ریاست دین کے قبضہ مین پہنچے،

۱ زاد المعاد .... مجلد ۱،

۲ مجمع الزوائد للحافظ الہیثمی .... مجلد ۵

۳ جلدین بالاکتساب، مجلد ۲

۴ ضوء النہار علی الازہار للسیوطی مجلد ۲

۵ منح الغفار علی ضوء النہار للسید محمد الامیر، مجلد ۲

۶ الدرر الفاخرہ للشوکانی، مجلد ۱

۷ شرح تنقیح الانظار للسید محمد الامیر نسخۃ المولف..... مجلد ۱

۸ شرح العمدۃ لابن دقیق العید مع حاشیہ السید محمد الامیر بخط حسن الجمیع، ..... مجلد ۱

۹ النصف الاول ایضاً من العمدۃ للسید الامیر نسخۃ ولد المصنف،....... بخط

۱۰- فتح الرحمان فیما اشکل منہ آیات القرآن، للقاضی زکریا الانصاری، ..... مجلد ۱

۱۱ طوق الحمامہ شرح القصیدۃ البسامہ شرحین کاملین،....... مجلد ۲

۱۲ کتاب نزہۃ الناظرین فیمن ولی مصر من الخلفاء والسلاطین للشیخ مرعی،

۱۳- کتاب السیادۃ للقطعی......... مجلد ۱

---

[۱] علم الاشتقاق... ۲۰۵ تا ۲۰۶ [۲] ... ص ۲۵ [۳] ایضاً ص ۵۵،

۱۴- کتاب ما وقع من الغلط لشعراء العرب مع الشرح .... مجلد ۱

۱۵- فلک القاموس ترجمہ صاحب العواصم والقواصم مع تلخیص خلاصہ ما فی العواصم تلخیصاً حسناً لحفیدۃ صاحب العواصم .... کراستین

۱۶- تکملۃ فتاوی الشوکانی ...... مجلد ۱[۱]

امام شوکانی کے ہندوستانی شیوخ سند اہل شوق کے لئے امام شوکانی کے ان شیوخ سند کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جن کا وطن ہندوستان ہے، اگرچہ یہان مرد حدیث کے وہ نغمے پیدا نہین ہوئے جو دوسرے اسلامی ملکون کی شہرت کا سبب بنے، مگر پھر بھی کہین نہ کہین، یہ آواز مدھم سی سنائی دے رہی ہے، افسوس یہ ہے کہ نقد و قیاس کے ہنگامون مین یہ بھی دب گئی کہ سنانے والے ہی ترک وطن پر مائل ہوگئے، (الا ماشاء اللہ ربک) ان مہاجرین وطن مین سب سے پہلے ابو الحسین عبد الغافر غزنوی (م ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء) اور ان کے صاحبزادے ہین، جن کا وطن غزنہ تھا، مگر نیشاپوری الفارسی کہلائے[۲] اسی طرح امام حسن صغانی اللاہوری صاحب مشارق الانوار (م ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء) شیخ ابو الحسن عبد الہادی سندی صاحب حاشیۃ البخاری (م ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء) سید بلگرامی مرتضیٰ الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) شیخ محمد عابد سندی المدنی (م ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء)

---

[۱] علم الاشتقاق .... ص ۲۰۶، [۲] شیخ عبد الغافر غزنوی کا ہندوستانی ہونا بر بنائے نص مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی ہے، غزنہ کے متعلق ہے "من اول بلاد الهند ذکرہ السمعانی" (الفوائد البہیہ ص ۲۰) مولانا مرحوم کی تحریر کے مطابق (یعنی فی تذکرۃ الخطابی مؤلف معالم السنن شرح سنن ابی داؤد) فرماتے ہین،

"ان سے الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ و ابو الحسین عبد الغافر الفارسی اور ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے، الحاکم تاریخ نیشاپور مین ذکر کیا ہے، (تعلیق الممجد ص ۲۴)"

لیکن نواب صاحب نے اس نام: عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر بن محمد الفارسی الحافظ،

شیخ محمد حیات سندی (۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء) قطب الدین محمد اور سید غضنفر بن سید جعفر نہروانی وغیرہ ہین

امام شوکانی کے ہندوستانی شیوخ السند حسب ذیل ہین :-

۱- قطب الدین محمد بن احمد بن محمد النہروالی (یہ صحیح بخاری مین ۵ واسطون سے) اور مشارق الانوار صغانی اللاہوری مین بھی شیخ السند ہین،

۲- قطب الدین محمد بن احمد نہروالی کے والد یعنی احمد بن محمد المذکور[۲]

۳- عبد اللہ بن[۳] ملا سعد اللہ اللاہوری (صحیح بخاری مین)

۴- شیخ ابو الحسن[۴] عبد الہادی سندی (م ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء)

۵- شیخ محمد حیات[۵] سندی (م ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء)

۶- عبد الغافر (ابو الحسین) غزنوی نیشاپوری فارسی (م ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۳) سے جن صاحب کا تذکرہ فرمایا ہے، وہ مولانا عبد الحی صاحب کے مسمی (عبد الغافر) نہین، بلکہ اُن کے پوتے ہین، جو المفہم شرح غریب صحیح مسلم، وکتاب مجمع الغرائب فی غریب الحدیث کے مولف بھی ہین، اِن کا سنہ وفات ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء ہے، (اتحاف النبلاء المتقین ص ۳۰۲) یہ ابو الحسین عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر نہ تو خطابی کے شاگرد ہو سکتے ہین کہ خطابی کا سال وفات ۳۸۸ھ / ۹۹۸ء ہے، (اتحاف النبلاء ص ۲۴۶) اور عبد الغافر (ابو الحسین) حاکم صاحب مستدرک کے ہم سبق بھی نہین، کہ حاکم کی تاریخ وفات ۴۰۵ھ / ۱۰۱۴ء ہے،

[۱] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶، ۹۶ [۲] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۱ [۳] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۱، [۴] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۵۵ [۵] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۵۵ [۶] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۲۰، ص ۵، ص ۰

وصفحہ ۲۳۳ وصفحہ ۴۳، وصفحہ ۶، وصفحہ ۰

۷- حسین بن ابو الحسین[۱] عبد الغافر (المذکور) غزنوی نیشاپوری،

۸- سید غضنفر بن[۲] سید جعفر نہروالی، مشکوٰۃ و مولفات حاجی (مولانا عبد الرحمن) مین،

۹- میر کلان محدث اکبرابادی جن کا ذکر بسلسلہ شیوخ ملا علی قاری (جناب فخر الاماثل) مولانا سید سلیمان صاحب نے بھی معارف مین فرمایا ہے،[۳]

(باقی)

---

[۱] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۹۰، وص ۹۶ وص ۳۲ و ۳۳ [۲] معارف ج ۲۲ نمبر ۴ ص ۲۶۶ [۳] اتحاف الاکابر، ص ۹۰،

حیات شبلی

حصۂ اول

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحعمری ہی نہین، بلکہ اُن کی وفات ۱۹۱۴ء تک ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، ادبی، اصلاحی اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لے کر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ اگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اس عہد کے تمام قابل الذکر اکابر خصوصاً کے بعض ہم عہد ہمعصر علماء کے حالات بھی بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین، ضمناً ان تعلیمی ادارون کی جن سے مولانا کا تعلق رہا ہے مجمل تاریخ بھی پیش کردی گئی ہے، ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہے،

کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت :- غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپیہ مجلد :- لیعہ

"منیجر"

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب رفیق دار المصنفین

جس طرح ہر جاندار کے لئے جسم کے ساتھ روح کا ہونا ضروری ہے، کہ اسی پر اس کی زندگی کا مدار ہے، اور روح کے بغیر وہ ایک لمحہ بھی زندہ نہین رہ سکتا، بالکل یہی حال، انسانی اعمال کا ہے کہ اس کے ہر عمل کی ایک روح ہوتی ہے، اگر کوئی عمل اس روح سے خالی ہے تو اس کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ اہمیت،

روح صرف انسانی اعمال مین ہوتی ہو

لیکن انسان اور حیوان کے اعمال مین بڑا فرق ہے، حیوانات چونکہ علم و عقل اور فہم و تدبر سے محروم ہین، اس لئے کسی کام کے مکلف نہین، اُن سے افعال کا صدور طبعی طور پر ہوتا ہے، تشریع کو اس مین دخل نہین ہوتا، اس لئے ان کے اعمال کے صحیح، غیر صحیح، بار وح و بے روح ہونے کا بھی کوئی سوال پیدا نہین ہوتا، لیکن انسان ... کا حال ایسا نہین ہے، چونکہ اسے علم و عقل اور فہم و تدبر عطا کیا گیا ہے اس لئے اس کے افعال کے صدور مین تکوین سے زیادہ تشریع کو دخل ہے، اس کے افعال کی نوعیت وہ نہین ہے، جو حیوانات کی ہے، اس کا ہر عمل طبعی طور پر تشریع کی پابندیون مین جکڑا ہوا ہے، اس لئے عمل کے صحیح و غیر صحیح اور بار وح و بے روح ہونے کا سوال صرف انسان ہی کے اعمال مین پیدا ہوتا ہے، اور وہی اس کا مکلف ہے،

کافر و مومن کے اعمال کا فرق

جس طرح حیوان اور انسان کے افعال مین بہت بڑا فرق ہے، اسی طرح انسان کے دو گروہون مومن و کافر کے افعال مین بھی کافی فرق ہے،

انسان کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے گو کافر بھی تکلیف شرعی کا مورد ہے، اور اس کی تمام پابندیون مین جکڑا ہوا ہے، لیکن عملاً چونکہ اس کی زندگی مین تشریع کی کار فرمائی نہین ہوتی، اور اپنے کو کسی کے سامنے جواب دہ نہین سمجھتا، اس لئے اسے اپنے اعمال کے صحیح، خالص اور بار وح ہونے کی بھی کوئی پروا نہین ہوتی، لیکن مومن کا حال ایسا نہین ہے، وہ اپنے کو بالقوہ اور بالفعل دونون طرح تشریع کے حدود و قیود مین محسوس کرتا ہے، اس لئے اسے ہر عمل کے وقت اس بات کی بھی فکر ہوتی ہے، کہ اس کا یہ عمل تشریعی پابندیون کے ساتھ صحیح ہوا یا نہین؟ وہ جو عمل کر رہا ہے، اس مین روح بھی پڑ رہی ہے یا نہین؟ وہ عند اللہ مقبول بھی ہون گے یا نہین؟ اس بنا پر کافر و مومن کے اعمال مین بھی عملاً وہی فرق ہے، جو انسان و حیوان کے افعال و اعمال مین ہے،

اس سے یہ بات ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ جس طرح انسان کا جسم بغیر روح کے بے حقیقت ہے، اسی طرح اس کا عمل بھی بغیر اس کی روح کے لاشۂ محض ہے،

نماز ایک امر تشریعی ہے، اس کے لئے بھی جسم و روح ہے، اس کی ادائگی کے بہت سے ارکان و شرائط، اور اس کے مقبول و صحیح ہونے کے بہت سے اسباب و ذرائع ہین، اس لئے ایک مومن کا فرض ہے کہ وہ جب بارگاہِ قدسی مین حاضر ہو، تو ان ضوابط اور ذرائع کا لحاظ رکھے، تاکہ اس کا یہ عمل ضائع نہ ہونے پائے، اور وہ عند اللہ مقبول بھی ہو، یون تو نماز کے مقبول اور صحیح ہونے کے لئے بہت سے شرائط و ارکان اور ضوابط ہین، مگر سب کی حیثیت یکسان نہین ہے، بعض کی حیثیت اصل کی ہے، بعض کی فرع کی، بعض جڑ کی حیثیت رکھتے ہین، بعض برگ و بار کی، لیکن نماز مین جس چیز کو سب سے زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہے اور جس کے گرد سارے دوسرے ارکان گردش کرتے ہین، وہ "صفت خشوع" ہے، اس کو نماز سے وہی نسبت اور تعلق ہے، جو روح کو جسم اور غذا کو زندگی سے ہے، اگر نماز اس خشوع سے خالی ہے، تو خدا کے یہان اس کی کوئی قیمت نہین،

ہم کو قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف کی روشنی مین اس کی حقیقت و ماہیت، اہمیت و فضیلت اور اس کے حصول کے ذرائع معلوم کرنا چاہئین، اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئے، کہ اس صفت سے متصف ہونے والون کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا کیا مقامات اور درجات ہین،

خشوع کے لغوی معنی ہین بدن جھکانا، آواز پست ہونا، نظر نیچی ہونا، اور قلب مین خوف کا پیدا ہونا (لسان العرب) یعنی ہر عضو سے عجز و انکسار کا اظہار ہو رہا ہو، قرآن نے خشوع کو ان تمام معنون مین استعمال کیا ہے،

وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا، (حشر ۳)

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا،

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا، (طٰہٰ-۱۱)

اور تمام آوازین اللہ تعالیٰ کے سامنے (مارے ہیبت کے) دب جاوین گی، سو تو بجز پاؤن کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا،

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ (قمر-۱۱)

ان کی آنکھین جھکی ہون گی،

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ، (حدید ۲)

کیا ایمان والون کے لئے اس بات کا موقع نہین آیا، کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے، اس کے سامنے جھک جاوین،

گر یہ سب تو خشوع کے مظاہر ہین، خشوع کا اصلی مقام قلب ہے، اعضا و جوارح سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے، کہ قلب کی اس کیفیت کا اظہار انہی کے ذریعہ ہوتا ہے، قلب مین خشوع و خضوع،

خوف و رجا، ہیبت و جلال کی جو کیفیت پیدا ہوگی، اعضا سے اسی کا اظہار ہوگا، ایک شخص نماز کے اندر اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ

لو خشع قلبه خشعت جوارحه

یعنی اگر اس کے دل مین خوف ہوتا، تو اس کے اعضا سے بھی خشیت ظاہر ہوتی،

بعض علما، نے خشوع کی تعریف مین لکھا ہے،

(الخشوع) هو معنی یقوم بالنفس یظهر عنه سکون فی الاطراف

خشوع ایک ایسی کیفیت ہے کہ جو دل مین قائم ہو جاتی ہے اور اس کے ذریعہ اعضا سے سکون و طمانیت ظاہر ہوتی ہے،

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہین :-

الخشوع قیام القلب بین یدی الرب بالخضوع والذل والجمعیة علیه،

خشوع یہ ہے کہ بارگاہ قدسی مین دل کو عجز و نیاز اور جمعیت و سکون سے حاضر رکھا جائے،

خشوع کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ سے ادا نہین کیا جا سکتا، اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر آپ کسی پر ہیبت جلال شخص کے سامنے کھڑے ہو جائین تو اس وقت آپ کے ذہن و جسم پر جو اثر مترتب ہوگا، یا جو کیفیت طاری ہوگی اسی کو عربی مین خشوع کہتے ہین، نماز مین بندہ اپنے سب سے بڑے مالک الملک کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، اس سے زیادہ پر ہیبت و پر جلال ذات کونسی ہو سکتی ہے، اس لئے اس کے ذہن و جسم قلب و دماغ پر اس وقت اس کیفیت کا طاری ہونا یا طاری کرنا ضروری ہے، عبادت کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی ہے کہ جب عبد اپنے معبود کے سامنے کھڑا ہو تو اس کی ہر ادا سے عبدیت کا اظہار ہو، جس کا تقاضا عجز و نیاز تواضع و خاکساری ہے،

نماز میں جن لوگوں پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے، اور جو اس صفت سے متصف ہوتے ہیں خدائے تعالیٰ نے انہی کیلئے دین و دنیا کی فلاح اور جنۃ الفردوس کا وعدہ کیا ہے،

قد افلح المومنون الذین ھم فی	یقیناً ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو
صلاتھم خاشعون	اپنی نماز میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں
اولئک ھم الوارثون الذین	اور ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں
یرثون الفردوس ھم فیھا	جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے،
خالدون، (مومنون - ۱)	وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے،

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں،

خاشعون خائفون، ساکنون	یعنی خاشعین فی الصلوٰۃ وہ لوگ ہیں جن کا دل خشیت الٰہی سے لبریز اور جسم پر سکون و طمانیت کی کیفیت طاری ہو،

حضرت ابو الدرداءؓ اس کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

اعظام المقام واخلاص المقال	جب اس کے سامنے کھڑے ہو جائے تو
والیقین التام وجمع الاھتمام	اس کی عظمت سے دل معمور ہو، جو اس سے
یتبع ذٰلک ترک الالتفات	کہا جا رہا ہو، اس میں اخلاص ہو، دل یقین کی دولت سے مالا مال ہو، جمعیت خاطر اور اہتمام ہو، پھر اسی کے ضمن میں ترک التفات

ایک دوسری جگہ قرآن نے جہاں مومنین کی بہت سی صفات بیان کی ہیں، اور ان صفات سے متصف ہونے والوں کے لئے جنت کا وعدہ کیا ہے، ایک صفت خشوع بھی ہے،

والصابرین والصابرات و	صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی
الخاشعین والخاشعات	عورتیں اور خشوع رکھنے والے مرد اور
اعد اللہ لھم مغفرۃ و اجراً	خشوع رکھنے والی عورتیں... ان کے لئے اللہ
عظیما، (احزاب - ۶)	تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے،

بعض لوگوں پر یہ کیفیت صرف نماز ہی میں نہیں طاری ہوتی، بلکہ ہر وقت طاری رہتی ہے، جہاں محبوب حقیقی کا ذکر چھڑا، اُن کے دل میں خشیت طاری ہو گئی، جہاں ان کا کلام پڑھا گیا، وہ سن کر لرزہ براندام ہو گئے،

اللہ تعالیٰ انہی کے بارے میں فرماتا ہے،

اذا یتلیٰ علیھم یخرون للاذقان	اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے
ویبکون ویزیدھم خشوعاً (بنی اسرائیل)	اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے،

سورۂ انبیاء میں انبیاء کے ذکر کے بعد ان کے متعلق بھی یہی ارشاد ہے کہ

ویدعوننا رغباً ورھباً وکانوا	اور وہ لوگ (انبیاء) امید و بیم کے ساتھ
لنا خاشعین،	ہماری عبادت کرتے ہیں اور ہمارے سامنے
(انبیاء - ۵)	دب کر رہتے ہیں،

صفت خشوع کے پیدا کرنے کے لئے کوشش و مجاہدہ

مگر اس مقام کے حصول کے لئے مسلسل کوشش اور مجاہدہ کی ضرورت ہے، جب ذہن و جسم قلب و دماغ پر پورے طور سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ہیبت و جلال کا تصور چھا جائے، اس وقت یہ مقام حاصل ہوتا ہے، چنانچہ صحابۂ کرام کو بھی اس وقت تک اس کا مکلف نہیں بنایا گیا، جب تک ان میں اس کی پوری صلاحیت پیدا نہیں ہو گئی،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس آیت

الم یان للذین آمنوا ان تخشع
قلوبھم لذکر اللہ وما نزل
من الحق،
(حدید ۲)

کیا ایمان والون کے لئے اس بات کا
موقع نہین آیا، کہ ان کے دل خدا کی
نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس
کے سامنے جھک جائین،

کی تفسیر کے سلسلہ مین فرماتے ہین،

ما کان بین اسلامنا وبین عتابنا
اللہ تعالیٰ بھذہ الآیۃ الا
اربع سنین

یعنی ہمارے قبول اسلام اور اس آیت
کے ذریعہ خشوع کے نہ پیدا کرنے والون
کے بارے مین عتاب کے درمیان چار
سال کا فصل ہوا،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہین :-

ان اللہ استبطاء قلوب المومنین
فعاتبھم علی راس ثلاث عشرۃ
سنین من نزول القرآن [1]

پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب کو
اس کے لئے آہستہ آہستہ تیار کیا پھر نزول
قرآن کے تیرہ برس بعد وعید فرمائی،

برائیون کے زہر سے بچنے کے لئے نماز سب سے بڑا تریاق ہے، انسان دنیا کے کاروبار مین
لگا ہوتا ہے، اس کے خیالات پراگندہ ہوتے ہین، ہین اسی حالت مین جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے

[1] پہلی روایت مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اسلام اور نزول آیت کے درمیان کا فصل بتایا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نزول قرآن اور اس آیت کے نزول کے درمیان کا فصل بتایا ہے، اس لئے دونون مین کوئی تعارض نہین ہے،

تو اس کے دل و دماغ اور جسم و اعضاء پر ہر قسم کی پابندی عائد ہو جاتی ہے، اس لئے اس پر نماز کی ادائگی
بڑی ہی شاق ہوتی ہے، لیکن جو لوگ کہ اس کیفیت خشوع سے سرشار ہوتے ہین، ان کے لئے یہ تمام
دشواریان آسان ہو جاتی ہین،

واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ
وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین
الذین یظنون انھم ملاقوا
ربھم وانھم الیہ راجعون
(بقرہ ۵ ع)

اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ
نماز دشوار ضرور ہے، مگر جن کے قلوب
مین خشوع (کی دولت) ہو ان پر کچھ بھی
دشوار نہین، وہ خاشعین وہ لوگ ہین،
جو خیال رکھتے ہین اس کا کہ وہ بیشک
ملنے والے اپنے رب سے اور اسی کی طرف واپس

اس آیت مین یہ بات قابل غور ہے کہ خاشعین کی صفت الذین یظنون انھم ملقوا ربھم
لائی گئی ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز مین خشوع پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بندہ
کے ذہن پر جزاے اعمال اور قیامت کی ہولناکیون کا تصور پورے طور پر چھایا ہوا ہو، اور اسے اس
بات کا پورا یقین ہو کہ ایک دن اسے مالک یوم الدین کے سامنے حاضر ہونا ہے، جبتک یہ تصور اس کے ذہن
پر چھایا ہوا نہ ہوگا، اس پر خشوع کی پوری کیفیت کا پیدا ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ جب اس کا پورا اذعان
ہو کہ ہم سے جو اعمال صادر ہوتے ہین، ایک دن ان کا محاسبہ ہوگا، اور ہمین اس کی جزا یا سزا ملے گی تو اس کا لازمی
نتیجہ یہ ہوگا، ہمارے ذہن پر عجز و نیاز خوف و خشیت کی کیفیت طاری، اور ہماری ساری ذہنی و جسمانی
توجہ اسی عمل کی طرف مبذول ہو جائے گی، اور ہم کو محسوس ہوگا، کہ ہم اپنے مالک الملک کے سامنے
کھڑے ہین، خشوع کا یہی مقصد اور اس کی یہی روح ہے، کہ بندہ ماسوا سے بالکل کٹ کر پوری عبدیت
کے ساتھ خداے وحدہٗ لاشریک کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے،

خشوع کے بارے میں ایک نکتہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہین کہ خشوع کا مطالبہ تو انسان کے ہر فرد سے ہے، مومن دنیا مین اپنے عجز وانکسار ذلت ومسکنت اور نیازمندی سے (خشوع کے) اسی مطالبہ کو پورا کرتا ہے، اس لئے قیامت مین وہ اس کی جزا مین عزت ووقار اور انعام الٰہی سے سرفراز ہوگا، لیکن کافر دنیا مین اس مطالبہ کو پورا نہین کرتا، اس لئے مومن کی یہ اختیاری ذلت ومسکنت اس کی طرف منتقل کردی جائے گی، اور اس سے یہ مطالبہ قہر وغضب کے ساتھ پورا کرایا جائے گا، مومن نے دنیا مین اس اختیاری ذلت کا مطالبہ عقبیٰ کی عزت کے لئے کیا گیا تھا، کافر نے چونکہ اس کو پورا نہین کیا، اس لئے اس سے قیامت مین یہ مطالبہ اس کی روسیاہی ورسوائی کی صورت مین پورا کرایا جائےگا،

چنانچہ قرآن نے اسے باربار بیان کیا ہے،

خشعًا ابصارھم،	(قیامت کے روز) ان کی (کفار) آنکھین جھکی ہونگی،
خاشعین من الذل ینظرون من طرف خفی،	مارے ذلت کے جھکے ہون گے اور کنکھیون سے دیکھتے ہون گے،
وجوہ یومئذٍ خاشعۃ	بہت سے چہرے اس روز ذلیل ہون گے

(باقی)

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس مین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہے، دکنی سے لے کر حالی واکبر تک کے حالات،

قیمت:- ؎ ضخامت:- ۵۴۰ صفحے

"منیجر"

استفسار وجواب

رائے پنڈت چندربھان برہمن

اور

ان کی تصنیفات

جناب پرسرام وتس صاحب مونگا، ضلع فیروزپور، "پنڈت چندربھان برہمن جو حضرت شاہجہان صاحبقران اور ان کے ولی عہد داراشکوہ کے میرمنشی تھے، میرے اجداد مین سے تھے، ان کی تصانیف منشآت برہمن، چہار چمن، نگارنامہ، گلدستہ، تحفۃ الفصحیٰ، مجموعۃ الفقراء، تذکرۂ فارسی شعراء، وغیرہ نہین ملتین، آپ کی وسعت مطالعہ اور معلومات کا ذکر میرے مسلمان دوست اکسٹرا اسسٹنٹ صاحب نے کیا، تو مین نے آپ کو تکلیف دی، تحریر فرمادین کہ مین کہان کہان سے ان کتابون کو اور ان کی کسی سوانحعمری یا تذکرہ کو دیکھ پا سکتا ہون، وہ ذرائع تحریر فرمادین، تاکہ مین ان کی زیارت کرسکون، احسان مروت اور مہربانی سے میری دعائین حاصل کیجئے۔"

معارف:- گرامی نامہ ملا، خوشی ہوئی کہ رائے پنڈت چندربھان برہمن کی یاد کو تازہ کرنے والے ان کے اخلاف موجود ہین، ان شخصیتون کے نام اور ان کے کارنامے ہندوستان کے اس درخشان عہد کی یادگار ہین جب یہان ہندو اور مسلمان شیروشکر تھے، اور اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر ایک دوسرے سے یگانگی رکھتے تھے، لطف ومحبت سے پیش آتے، اور رواداری کے ساتھ ایک دوسرے کے مذہبی

وہ ذاتی جذبات و احساسات کا پاس و احترام رکھتے تھے،

رائے چندر بھان تخلص بہ برہمن، شاہجہانی دور کے مشہور ارباب قلم میں سے تھے، ان کی جن کتابوں کے نام آپ نے لکھے ہیں، ان میں سے بعض مشہور کتب خانوں میں موجود ہیں، اور اتفاق سے مصنف نے اپنی بعض کتابوں میں اپنی خود نوشت سوانح عمری بھی قلمبند کر دی ہے، اور اس کا نسخہ محفوظ رہ گیا ہے، پھر ان کے شعر و ادب کا ذوق رکھنے کی مناسبت سے تذکرہ کی کتابوں میں اُن کے مختصر حالات ملتے ہیں، اور درباری تعلق سے ان کا ذکر بعض سیاسی تاریخوں میں بھی آیا ہے، چنانچہ عمل صالح محمد صالح کنبوہ المتوفی ۱۰۸۵ھ، مراۃ جہان نما شیخ محمد بقا المتوفی ۱۰۹۲ھ، تذکرہ مراۃ الخیال شیر خان لودی (تصنیف ۱۱۰۲ھ) تذکرہ حسینی میر حسن دوست (تصنیف ۱۱۶۳ھ) مخزن الغرائب احمد علی سندیلوی (تصنیف ۱۲۱۸ھ) تذکرہ خوش نویسان غلام محمد ہفت قلمی المتوفی ۱۲۳۹ھ، اور نشتر عشق حسین قلی خان عشق میں ذکر آیا ہے،

موجودہ زمانہ کی تصنیفات میں سے امرائے ہنود محمد سعید احمد مارہروی طبع ۱۹۱۰ء، ایجوکیشن ان مسلم انڈیا سید محمد جعفر طبع ۱۹۳۶ء، دی ریلیجیس پالیسی آف دی مغل ایمپررز، سری رام شرما طبع ۱۹۴۰ء، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ڈاکٹر سید عبد اللہ طبع ۱۹۴۲ء میں بھی تذکرہ آیا ہے، ان میں سے اول و آخر الذکر کتابوں میں کسی قدر تفصیل سے ہے،

ان مآخذ خصوصاً ان کی تصنیف چار چمن (موجود در برٹش میوزیم) سے ان کے مختصر سوانح اور مخطوطات کی فہرستوں سے ان کی کتاب کا حال ذیل میں پیش ہے،

وہ پنجاب کے ایک برہمن خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد کا نام پنڈت دھرم داس تھا، ان کی ولادت لاہور میں ہوئی، اور یہیں نشو و نما پائی، شیر خان لودی نے مراۃ الخیال میں، اور اس کے

۱ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۵۷، بحوالہ دیباچہ

حوالے سے بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا وطن اکبر آباد لکھا ہے[1]، مگر یہ خود ان کی تصریح کے خلاف ہے، اکبر آباد سے اُن کے گھر سے روابط تو ہو گئے تھے، لیکن جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے، ان کا مولد و منشا لاہور ہی تھا،

ابتدائی تعلیم و تربیت لاہور ہی میں حاصل کی، اور اس دور کے مشہور باکمال ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا[2]، فن خطاطی میں بھی کمال حاصل کیا، خط نستعلیق کی تحصیل آقا عبد الرشید سے کی تھی، اور خط شکستہ کفایت خان سے حاصل کیا تھا، تذکرہ خوشنویسان میں خوش نویس کی حیثیت سے بھی ان کا ذکر آیا ہے[3]،

تعلیم سے فراغت کے بعد امیر عبد الکریم میر عمارات لاہور و اکبر آباد کی ملازمت سے وابستہ ہو گئے[4]، ان کے بھائی اودے بھان عاقل خان کے دفتر سے تعلق رکھتے تھے، اس تعلق سے ان کو بھی شاہی ملازمت سے وابستگی ہوئی، اور اس زمانہ کے مشہور امیر ملا عبد الشکور شیرازی معروف بہ خطاب افضل خان کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے، افضل خان ترقی کر کے شاہجہان کے پہلے سال جلوس میں "وزیر الکل" کے عہدہ پر سرفراز ہوا تھا، اور پنڈت چندر بھان افضل خان کے کاتب (سکریٹری) کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے[5]، اور قیام لاہور ہی میں رہا،

افضل خان نے ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی[6]، اس کے بعد ہی جب شاہجہان ۱۲ سنہ جلوس شاہجہانی میں لاہور آیا، تو افضل خان کے متعلقین اور وابستگان کو اپنے حضور میں طلب کیا، اس تعلق سے پنڈت چندر بھان کو بھی شاہجہان کی خدمت میں شرفیابی کا موقع ملا، اس نے خط شکستہ میں اپنی ذیل کی

[1] تذکرہ مراۃ الخیال ص ۲۰۳ [2] برٹش میوزیم کی فہرست میں ملا عبد الکریم چھپا ہے، مگر یہ نسخہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے، ان کے استاد کی حیثیت سے دوسرے مآخذ مخزن الغرائب وغیرہ میں ملا عبد الحکیم کا نام مذکور ہے [3] تذکرہ خوشنویسان ص ۵۵ [4] عمل صالح (قلمی) ورق ۱۲، [5] نشتر عشق قلمی جلد ا ورق ۹ و ادبیات فارسی [6] ... و امرائے ہنود صفحہ ۱۰۳ [6] افضل خان کے سوانح کے لئے دیکھئے مآثر الامرا جلد ۱ صفحہ ۱۴۵،

رباعی لکھ کر شاہجہان کی خدمت مین پیش کی :-

شاہے کہ مطیع او دو عالم گردد — ہرجا کہ سریست پیش او خم گردد

از بسکہ بدورش آدمی یافت شرف — خواہد کہ شرف نیسر آدم گردد

مگر ریو کا خیال ہے کہ برہمن پہلی مرتبہ ۱۰۵۵ھ مین سرہند مین جشن نوروز کے موقع پر جب شاہجہان بدخشان کی مہم کی تیاری مین مصروف تھا، دربار شاہجہانی مین حاضر ہوا، اور اس کا پہلی مرتبہ تعارف کرایا گیا، لیکن دونون روایتون مین کوئی ایسا تضاد نہین، ہوسکتا ہے کہ وہ افضل خان کی وفات کے بعد اس کے عملہ کے ساتھ شاہجہان کے حکم سے دارالسلطنت کے عملہ مین شامل کرلیا گیا ہو اور مقرب درباری کی حیثیت سے پہلی مرتبہ سرہند مین جشن نوروز کے موقع پر اپنی نظم سنائی ہو، اور الطاف شاہانہ سے سرفراز کیا گیا ہو،

بہرحال شاہجہان نے اس کو اپنی خدمت کے لئے منتخب کیا، اور اس کے خدمات مرکزی حکومت کے صدر دفتر مین منتقل ہو گئے، وہ رفتہ رفتہ ترقی کرکے "وقائع نویس حضور" کے منصب پر مامور کیا گیا، اب وہ شاہجہان کے دربار مین حاضر رہتا، اور روزانہ کے وقائع قلمبند کیا کرتا، ضرورت کے وقت کبھی وہ باہر بھی بھیجا جاتا تھا چنانچہ وہ ایک موقع پر شاہجہان کی طرف سے بیجاپور کے دربار مین بھیجا گیا،

دارا شکوہ کو اس سے غیر معمولی انس پیدا ہوگیا تھا، چنانچہ اس نے شاہجہان سے کہہ کر اس کے خدمات مستعار حاصل کر لئے، اور وہ دارا شکوہ کا میر منشی مقرر ہو گیا، مگر علامہ سعد اللہ کی وفات کے بعد شاہجہان کو اس کی دوبارہ ضرورت ہوئی تو پھر اس کی خدمات مرکزی حکومت سے

---

[۱] امرائے ہنود ص ۱۰۳ [۲] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم جلد ۲ ص ۳۰ [۳] چار چمن، در فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۰،

[۴] مراۃ جہان نما ص ۳۱۰ (قلمی) در برٹش میوزیم جلد ۳ ص ۱۰۸۷،

وابستہ ہو گئے، اب شاہجہان نے اس کو رائے کے خطاب سے بھی ممتاز کیا، دورِ حاضر کی اصطلاح مین اس کے عہدہ کو "فیسر انچارج آف دی دار الانشاء دی سکریٹریٹ" سے موسوم کیا گیا ہے،

وہ شاہجہان کے آخر دور یعنی دارا شکوہ کے ساتھ قتل سے پہلے تک اپنے عہدۂ میر منشی پر مامور رہا، اور اپنے قدردان دارا شکوہ کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی وہ بھی شاہی خدمت سے سبکدوش ہو گیا، اور بنارس مین جاکر عزلت گزینی کی زندگی اختیار کر لی،

وفات | بنارس ہی مین اپنی زندگی کے اخیر دن پورے کئے، اور وہین وفات پائی، سالِ وفات مین اختلاف ہے، مراۃ جہان نما مین ۱۰۶۸ھ مکتوب ہے، مراۃ الخیال مین ۱۰۷۳ھ ہے، اور تذکرہ شمع انجمن مین ۱۰۸۵ھ کہا گیا ہے، اول الذکر روایت کو ریو نے ترجیح دیا ہے، لیکن یہ قرین قیاس معلوم نہین ہوتا، ۱۰۶۹ھ مین اورنگ زیب اور دارا شکوہ کی لڑائی ہوئی، اور دارا شکوہ کا آفتاب اقبال غروب ہوا ہے، چندربھان نے دارا شکوہ کے قتل ہونے یا یون کہئے کہ عالمگیر کے تسلط حاصل کرنے کے بعد مرکزی حکومت سے اپنا رشتہ منقطع کیا ہے، اس لئے وہ گویا ۱۰۶۹ھ کے آخر مین بنارس آیا، چند سال پہلے عزلت گزینی کی زندگی گذارنے کا ذکر آتا ہے، اس لئے عجب نہین کہ تذکرہ مراۃ الخیال کی روایت صحیح ہو، کہ اس نے ۱۰۷۳ھ مین بنارس مین وفات پائی، اور وہین آخری مراسم ادا ہوئے،

یادگارین | اولاد مین اپنے ایک لڑکے تیج بھان کا ذکر انشائے برہمن مین کیا ہے، (ورق ۹۶) آگرہ مین اس کی چند یادگار عمارتین بھی تھین، ایک خوشنما باغ تعمیر کرایا تھا، جو باغ چندربھان کے نام سے موسوم ہوا، ایک بڑا تالاب کھدوایا تھا، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ مین وہ باغ کسی انگریز کے قبضہ مین

---

[۱] امرائے ہنود ص ۱۰۳ [۲] دی ریلیجس پالیسی آف دی مغل ایمپررز ص ۱۰۱ [۳] مراۃ الخیال ص ۲۱۵، [۴] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۳ ص ۱۰۸۷، مراۃ الخیال صفحہ ۲۱۵، تذکرۂ خوشنویسان بحاشیہ صفحہ ۵۵،

چلا گیا تھا، یہ سکندرہ کی سڑک پر آگرہ اور سکندرہ کے درمیان واقع ہے، اس کا دروازہ سنگِ سرخ کا تھا، یہ باغ پھر لالہ سورج بھان کی اولاد کے قبضہ مین چلا گیا تھا،

آگرہ مین پنڈت چندر بھان کی بعض دوسری عمارتون کے موجود ہونے کا ذکر منشی سیل چند کی تفریح العمارات مین آیا ہے، مگر اب وہ سب ناپید ہو چکی ہین،[48]

سیرت و کردار چندر بھان طبعاً مذہبی آدمی تھا، مذہبی مسائل سے دلچسپی رکھتا تھا، مذہبی عقائد پر اس نے بابا لعل داس اور داراشکوہ کے ایک مکالمہ کا ترجمہ فارسی مین کیا تھا، اور جیسا کہ گذرا، آخر زندگی تیرتھ گاہ بنارس مین گذار دی، اس کو اپنے ہندو ہونے پر فخر تھا، زنّاردار کے لقب کو اپنے لئے پسند کرتا تھا، اپنی زنارداری سے اپنا لگاؤ یون ظاہر کیا ہے،

مرا برشتۂ زنار الفتے خاص است   بہ یادگارِ من از برہمن ہمین دارم

طبیعت مین سوز و گداز تھا، حاجتمندون سے ہمدردی کرتا، اور ان کی ضرورتین پوری کرنے کے لئے سفارشین کرتا تھا، اس کے مکاتیب مین اس کی شہادتین جا بجا موجود ہین، طبیعت مین مذہبی رواداری بھی تھی، یہان تک کہ محمد صالح کنبوہ صاحبِ عمل صالح لکھتا ہے :-

"ہر چند بصورت ہندو است لیکن دم در اسلام می زند،"

اس کے ساتھ اپنے مذہبی عقائد اور ہندوانہ مراسم و روایات کی دل سے قدر کرتا تھا، اس کی جھلک اس کے مکاتیب مین جا بجا موجود ہے، مثلاً اس کا ایک طریقہ ادا ہے :-

"برہمن عقیدت کیش کہ صندل اخلاص بر جبین و زنار عقیدت در گلو دارد"[50]

اس طرح وہ ایک خوش خصال نیک دل، رواداار اور اپنے عقیدے کا ایک مخلص برہمن تھا،

---

[48] امراے ہنود ص ۱۸۴، وادبیات فارسی ص ۴۹، [49] ادبیات فارسی ص ۴۹، بحوالہ عمل صالح، نشتر عشق، تفریح العمارات، منشآت برہمن،

ادب و انشاء اور شاعری محمد صالح کنبوہ نے اس کو شاہجہانی عہد کے ممتاز شعراء اور نثر نگارون مین شمار کیا ہے،[51] وہ اپنی نظم و نثر مین سادہ نگاری کو پسند کرتا تھا، صاحبِ دیوان تھا، تذکرہ حسینی مین ہے:

"دیوانے و انشاے بسیار سادہ یادگار گذاشتہ"[52]

کلمات الشعراء کے مصنف کا بیان ہے :-

"بطرز قدیم شستہ و صاف در ہندوان غنیمت بود"

محمد صالح اور بعض دوسرے مصنفین نے لکھا ہو کہ اس نے انشا مین ابو الفضل کا تتبع کیا ہے، مگر یہ پورے طور پر صحیح نہین ہے، ابو الفضل کے طرز انشاء کی کچھ نہ کچھ جھلک اس کی تحریر مین ضرور پائی جاتی ہو، مگر اس مین ابو الفضل کی وقت پسندی نہ تھی، اس کا طرز انشاء قدیم اسلوب مین صاف و شستہ تھا بلکہ عمومی حیثیت سے اس کی سادہ نگاری کا ایسا شہرہ تھا، کہ شیر خان لودی نے داراشکوہ کے اس سے دلچسپی رکھنے پر اس لئے بھی تعجب کیا ہے کہ داراشکوہ اور برہمن کے طرز انشاء مین زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ لکھتا ہے :-

"نسخہ، چار چمن بر مطلب نویسی و سادگی عبارات دے گواہی می دہد، و قماش نقش نیز پوشیدہ است عجب کہ شاہزادہ با آن ہمہ مستعدان کہ در عرصہ روزگار بر نگ آمیزی الفاظ آبدار صفحۂ خاطر ارباب دانش چون شگفتہاے موسم بہار ہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارک بسخن سادہ اش فرود آوردہ بود،"[53]

افسوس ہو کہ شیر خان لودی نے اپنے تذکرہ مراۃ الخیال مین چندر بھان کا تذکرہ خوشگوار لب و لہجہ مین نہین کیا ہے اس نے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے، اور اس کے حوالہ سے دوسرے تذکرہ نگارون

---

[51] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۰ بحوالہ عمل صالح (قلمی) ورق ۷۰۱، [52] تذکرہ حسینی صفحہ ۴۳، [53] تذکرہ مراۃ الخیال ص ۲۱۳، ۲۱۴،

نے بھی اس کو لکھا ہے، کہ ایک مرتبہ دارا شکوہ نے شاہجہان کے سامنے اس کے ذوق شعری کی تعریف
کی، شاہجہان کی فرمایش پر اوس نے اپنا ایک شعر پڑھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار　　بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

شاہجہان یہ شعر سن کر چین بجبین ہوا، اہل دربار سے مخاطب ہوا، کہ کوئی اس کو برجستہ جواب دے،
افضل خان نے بڑھ کر کہا کہ اگر حکم ہو تو استاد کے ایک شعر سے اس کا جواب دون بادشاہ نے
اشارہ کیا، تو افضل خان نے شیخ سعدی کا مشہور شعر پڑھا،

خر عیسیٰ گرش بمکہ برند　　چون بیاید ہنوز خر باشد[1]

بادشاہ یہ سن کر شگفتہ ہوگیا، اور چندر بھان غسل خانہ کے دروازہ سے نکل کر چلا گیا، شاہجہان
نے دارا شکوہ کو فہمایش کی کہ آیندہ ایسے اشعار اس مجلس مین نہ پیش کئے جائین،[2]

یہ ایک درباری لطیفہ ہو سکتا ہے، لیکن شیر خان نے اس واقعہ کو جس انداز مین قلمبند کیا ہے
اور اس پر جو حاشیہ آرائی کی ہے اس کو موزون نہین کہا جا سکتا،

---

[1] مراۃ الخیال مین اس کی قرات یون ہی ہے، مخزن الغرائب مین ان لفظون مین ہے، جیسے یہ مشہور ہے،

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود　　چون بیاید ہنوز خر باشد

[2] بعض اہل قلم نے اس واقعہ مین افضل خان کے شریک ہونے سے اس پر شبہہ ظاہر کیا ہے، لیکن افضل خان سے مراد وزیر الکل ملا عبد الشکور نہین ہو سکتے کہ ان کا انتقال ۱۰۴۸ھ مین ہو چکا تھا، (مآثر الامراء جلد اص ۱۵۰) اور جیسا کہ اوپر گذرا چندر بھان کا تعلق دربار شاہجہانی سے افضل خان کی وفات کے بعد ہوا تھا، اس لئے یہان افضل خان سے مراد وہ شاہجہانی امیر ہے، جو شاہجہان کا معتمد خاص تھا، اورنگ زیب اور شاہجہان کے آخری اختلاف کے موقع پر نامہ و پیام مین خلیل اللہ خان کے ساتھ شاہجہان کی طرف سے اورنگزیب کے پاس گیا تھا، اور آخر وقت تک شاہجہان کا معتمد رہا تھا، (عمل صالح وغیرہ)

شیر خان لودی کا باپ شاہزادہ شجاع کے دربار سے وابستہ تھا، شجاع و دارا شکوہ کا اختلاف معلوم ہے،
شاید شیر خان کی اس غیر رواداری کا سبب کوئی ایسی سیاسی منافرت ہو جو مصنف کو ورثہ مین ملی ہو، بہرحال
شیر خان نے یہ خاص طور پر تصریح کی ہے کہ دارا شکوہ چندر بھان سے غیر معمولی التفات رکھتا تھا، اور
اس کی نظم و نثر کا قدردان تھا، اوس نے اس کے دیوان سے ایک غزل اپنے تذکرہ مین نقل کی ہے،
کہا ہے کہ راقم الحروف این غزل را در تمام دیوانش انتخاب زدہ،

کنم زسادہ دلی بند دیدہ ترگان را　　بمشت خس نتوان بست راہ طوفان را
جگرفشان شدہ ام باز جاے آن دارد　　کہ لالہ زار کنم دامن و گریبان را
ہمیشہ زلف ترا اضطراب کار است　　چگونہ جمع کند خاطر پریشان را
شبے خیال تو آمد بخواب و آسودیم　　دگر زہم نہ کشادیم چشم گریان را
برہمن از تو سخن بے دلیل می خواہم
کہ اعتبار نباشد دلیل و برہان را

احمد علی سندیلوی نے بھی اپنی مخزن الغرائب مین اس کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے کیا ہے، لیکن
وہ تمامتر مراۃ الخیال سے ماخوذ ہے، کوئی نئی بات نہین، البتہ ایک شعر کی نسبت جو برہمن کی طرف کی جاتی ہے،
اس پر شبہہ ظاہر کیا ہے، کہ

ببین کرامت بتخانہ مرا اے شیخ　　کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

سندیلوی کا یہ شبہہ ممکن ہے کہ اس عام روایت کی وجہ سے ہو جو بے سند مشہور ہوگئی ہے کہ کسی پجاری برہمن
نے عالمگیر کے سامنے جب اس نے بنارس مین مندر کے توڑنے کا حکم دیا، تو اسی موقع پر اوس نے برجستہ موزون
کرکے عالمگیر کو سنایا، اور وہ شرمندہ ہوا، یہ فسانہ افسانہ ہی فسانہ ہے، اگر اسی سبب سے سندیلوی نے چندر بھان

---

[1] مراۃ الخیال ص ۲۱۳ تا ۲۱۵　[2] مخزن الغرائب ورق ۵۹ء۶۰

سے اس نے اس شعر کو چھین لینا چاہا، تو یہ صحیح نہین، حقیقت یہ ہے کہ

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

کہنے والا ہی

بہ این کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

کہہ سکتا ہے شاعرانہ شوخ چشمیون سے بڑے بڑے باکمال زاہد شعرا کے دامن محفوظ نہین، تو اگر "کفر آشنا دل" رکھنے پر فخر کرنے والے بیچارے برہمن کی زبان سے یہ شعر موزون ہوا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہین ہے،

تصنیفات چندربھان برہمن کی حسب ذیل کتابین مختلف کتب خانون مین موجود ہین :-

۱- چہار چمن، اس کا نسخہ برٹش میوزیم مین ہے کتاب کا نمبر ۱۶۸۶۳ ہے، یہ ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر سطر مین ۱۰ سطرین ہین، خط نستعلیق اور تاریخ کتابت یکم رجب ۱۱۲۳ھ ہے، یہ کتاب ۳۰۴ صفحون کے ایک مجموعہ مین ہے، جو چہار چمن، رقعات شیخ ابو الفضل، انوار سہیلی اور کوئی ایک اور مجموعہ مکاتیب پر مشتمل ہے،

چہار چمن چار بابون مین جن کو چمن سے موسوم کیا گیا ہے، تقسیم ہے، چمن اول مین شاہی دربار کے مختلف جشنون کا مرقع کھینچا گیا ہے، اور ان یادگار موقعون پر مصنف نے جو نظمین پڑھی تھین، ان کو درج کیا ہے، دوسرے چمن مین جو اس نسخہ مین ۱۰ وین صفحہ سے شروع ہوتا ہے، دربار کی شان و شوکت اور شاہجہان کے معمولات یومیہ اس کے نئے دار السلطنت شاہجہان آباد اور مملکت کے اہم صوبون اور شہرون کا حال بیان کیا گیا ہے، تیسرے چمن مین جو ۵۰ وین صفحہ سے شروع ہوتا ہے، مصنف کے سوانح حیات اور اس کے چند مکاتیب درج ہین، اور چوتھے چمن مین جو ۷۰ وین صفحہ سے ہے، چند اخلاقی اور مذہبی تخیلات پیش کئے گئے ہین، یہ آخری باب ۳۰ صفحہ پر ختم ہوجاتا ہے،

کتاب کا زمانہ تصنیف ۱۰۶۵ھ کے بعد تقریباً اسی کے لگ بھگ ہے، صفحہ ۵۰ پر ایک واقعہ کا تذکرہ جو اس سنہ مین پیش آیا تھا، ایک تازہ واقعہ کی حیثیت سے کیا گیا ہے،

اس نسخہ کا آغاز "چمن اول مشتمل بر سیرابی و شادابی ہمیشہ بہار" کے فقرہ سے ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مین اس کتاب کے مقدمہ کے ابتدائی فقرے موجود نہین ہین، برٹش میوزیم مین اس کا دوسرا نسخہ بھی ہے، اس کا نمبر ۸۵۲ ہے، یہ ۱۲۱ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ مین ۱۳ سطرین ہین، یہ نسخہ دسمبر ۱۸۳۹ء کا لکھا ہوا ہے، مرتب فہرست نے اس کو شاہجہانی عہد کی تاریخ کے ذخیرہ مین درج کیا ہے، اس مین چمن اول ورق ۳۵، دوم ۳۰، سوم ۸۶ اور چہارم ۱۰۹ سے شروع ہوتا ہے، اس نسخہ کی ابتدا مین ۳۸ اوراق کا ایک مقدمہ بھی ہے، یہ مقدمہ ذیل کے فقرے سے شروع ہوتا ہے،

"الحمد للہ .... اگرچہ در عہد سعادت آئین و زمان نیمنت قرین الخ"

مصنف نے ایک مکتوب کے ذریعہ اس تصنیف کو بادشاہ کی خدمت مین اس کے نام سے معنون کرکے پیش کیا تھا، یہ مکتوب اس کی دوسری تصنیف انشاے برہمن مین جس کا ذکر آگے آتا ہے، موجود ہے اور چہار چمن کے اس نسخہ مین پہلے نسخہ کے برخلاف سرنامہ کے طور پر نقل کر لیا گیا ہے، اس کا اندازہ اسی کے ابتدائی فقرے سے ہوتا ہے، لیکن تعجب ہے کہ برٹش میوزیم کے فہرست نگار ریو کو اس کا اندازہ نہ ہوسکا، اور اس نے لکھا،

"اس کا ورق ۲ و ۳، ایک جداگانہ دستی تحریر پر مشتمل ہے، جس مین اسی تصنیف کی ایک دوسری تمہید ہے، جو مرزا ظہر الدین دہلوی کے نسخہ سے اس مین نقل کی گئی ہے، اس تمہید کی ابتدا اس فقرہ سے ہوتی ہے،"

"چون اداے شکر نعمت[1] حضرت صمدیت الخ"

مصنف کی دوسری تصنیف انشاے برہمن مین جس مین اس کے مکاتیب جمع کئے گئے ہین، برہمن کا پہلا مکتوب یہی ہے، اور اسی فقرے سے شروع ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے معنون

[1] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۳ ص ۹۲۵، انشاے برہمن مین "نعمت" کے بجائے "نعماے" آیا ہے،

کرنے کے لئے جو مکتوب شاہجہان کو لکھا تھا، اور اس کو انشائے برہمن میں داخل کیا تھا، کسی صاحب ذوق نے اس مکتوب کو اس تصنیف چہار چمن کا سرنامہ بنا دیا، اور اس نسخہ سے چہار چمن کے اس نسخہ میں نقل کیا گیا ہے۔

بہرحال چہار چمن کا زیادہ مکمل نسخہ جس میں سرنامہ اور مقدمہ دونوں موجود ہیں، برٹش میوزیم کا ہی دوسرا نسخہ ہے۔

مؤلف امرائے ہنود نے چندر بھان برہمن کی تحریر کے نمونہ کے طور پر چند صفحے نقل کئے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چہار چمن ہی کے اقتباسات ہیں، ان میں جا بجا برہمن کی غزل، رباعی اور بعض قطعات بھی ہیں جن کو اس نے شاہجہان کی خدمت میں وقتاً فوقتاً پیش کیا تھا، ایک غزل کا مطلع ہے،

روئے بتا فتاب دہد آب و تاب را اے از تو صد شرف شرفِ آفتاب را

مقطع میں ہے:-

ان برہمن مدام دعا کن ز روئے صدق شاہ بلند اختر گردون جناب را

ایک جگہ لکھتا ہے:-

"در چون این برہمن عقیدت کیش کہ در منشیان این درگاہ آسمان جاہ منسلک است و در روزہائے عظیم جشن نوروز جہان افروز می گزرانید، در جشن مبارک آئین نیز رباعی خواندہ بعنایت خلعت سرفرازی یافت رباعی

در جشن مبارک شہنشاہ جہان شاہنشہ آفاق خدیو گیہان
دریا شدہ از آب گہر روئے زمین سرخانہ شد از لعل بدخشاں کان"[۵۰]

۳- انشائے برہمن کا تذکرہ اوپر گذرا، مصنف نے شاہجہان اور دوسرے امرائے دولت کو

---

[۵۰] امرائے ہنود ص ۱۰۷

مختلف عہدوں سے مختلف موقعوں پر جو خطوط لکھے تھے، ان کو اس میں جمع کیا گیا ہے، خطوط کی ترتیب مکتوب الیہ کی ذاتی وجاہت و مرتبت کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے قائم کی گئی ہے، جیسا کہ اوپر گذرا، پہلا خط شاہجہان کے نام سے ہے، جس کے ذریعہ اس نے اپنی تصنیف چہار چمن کو اس کی خدمت میں پیش کیا ہے، اور وہ "چون ادائے شکر نمائے حضرت صمدیت" سے شروع ہوتا ہے، اس کا نسخہ بھی برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، کتاب کا نمبر ۲۶۱۴ ہے، یہ مجموعہ ۵۰ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۹ سطریں ہیں، خط نستعلیق ہے کتابت کی تاریخ ۱۱۶۶ھ/۵۳-۱۷۵۲ء ہے، اس مجموعہ کا نہ کوئی مقدمہ ہے اور نہ اس کو کسی نام سے موسوم کیا گیا ہے[۵۱] مرتب فہرست نے "انشائے برہمن" سے موسوم کیا ہے، اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی میں بھی ہے، ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ نے اس کو منشآت برہمن سے موسوم کیا ہے[۵۲]

۴- سوال و جواب لعل داس و دارا شکوہ کا نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں ہے، کتاب کا نمبر ۱۴۵ ہے، ہندو فقراء کے مذہبی عقائد پر بابا لعل داس اور شاہزادہ دارا شکوہ میں ایک مکالمہ ہوا تھا جس کو سوال و جواب کی صورت میں قلمبند کیا گیا تھا، یہ رسالہ ہندی زبان میں تھا، پنڈت چندر بھان نے اس کو فارسی زبان میں منتقل کیا ہے، اس کا آغاز اس فقرہ سے ہے،

"گزشت (؟) سرسری بابا لعل داس و شاہزادہ دارا شکوہ کہ در میان ہر دو عزیزان مذکور شدہ"

پہلا سوال یوں شروع ہوتا ہے،

"در نادر بند بگو نہ فرق توان کرد الخ"

بانکی پور کا نسخہ ۴ صفر سنہ ۱۲ جلوس محمد شاہی کا مکتوب ہے، خط شکستہ ہے[۵۳] نیز یہ رسالہ

---

[۵۱] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۰ و ص ۳۹۰ [۵۲] ڈاکٹر سید عبد اللہ نے اپنی تصنیف "ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ" (ص ۴۰) میں اس رسالہ پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے، تفصیلات کے لئے اس کی طرف رجوع کریں۔ [۵۳] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۶ ص ۱۳۲

پر بنجی لال کی ترتیب و تحشیہ کے ساتھ ۱۸۶۰ء میں دہلی سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اس کا ایک نسخہ بھی کسی نے تیار کیا تھا، جو ایک مجموعہ میں برٹش میوزیم میں موجود ہے، اس کا نمبر ۱۰۹۶۷ ہے، اس کے سرنامہ میں ہے :-

"انتخاب جواب و سوال بابالال داس و بادشاہ زادہ حق پژوہ دارا شکوہ"

اور رسالہ کا آغاز اس طرح ہے،

"اول آن کہ از ورود کلمہ مغلطۂ آدم در بہشت میرود"

اس انتخاب کا ایک نسخہ کنگ کالج لائبریری میں بھی موجود ہے، پروفیسر پامر نے اپنی فہرست میں اس کا تذکرہ کیا ہے[1]،

۴۔ تحفۃ الانوار کا کچھ حصہ برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ انتخابات میں پایا جاتا ہے، اس میں چند اخلاقی کہانیاں ہیں، کتاب ۱۴ بابوں میں تقسیم ہے، لیکن تحفۃ الانوار کے مصنف کا نام مذکور نہیں، غالباً اس مجموعہ میں برہمن ہی کی کتاب کے اقتباسات لئے گئے ہیں، اس مجموعہ کا نمبر ۴۴۰۱ ہے، اس میں ۲۰ ورق تک تحفۃ الانوار کا حصہ ہے، یہ مجموعہ تقریباً ۱۸۵۰ء کا خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے[2]،

افسوس ہے کہ پنڈت چندر بھان برہمن کی باقی دوسری کتابوں، گلدستہ، نگارخانہ، تحفۃ الفصحا، مجموعۃ الفقرا اور دیوان برہمن کے متعلق زیادہ چھان بین کرنے کا موقع نہ مل سکا، براہ کرم کسی اور موقع پر یاد دہانی فرمائیں، تو کسی فرصت کے وقت میں مزید جستجو کی جائے گی، عجب نہیں کہ ان کی بعض اور کتابیں ہندوستان ہی کے کتب خانوں میں سے کسی جگہ مل جائیں، اور آپ اپنے مورثِ اعلیٰ کی مزید ادبی خدمات کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا سکیں،

"ع س"

---

[1] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۸۰۱، [2] ایضاً ج ۳ ص ۱۰۱۴،

ادبیات

احوال و مقامات

از جناب انور کرتانی

جو مردِ قلندر ہے فائق ہے وہی آخر
اسرار و رموز از دل تفصیل خودی آخر

سرمایہ حکیمی کا آشوبِ ظن و تخمین!
تقدیرِ فراست ہی، آشفتہ سری آخر

بے ذوقِ تمنا ہے افکار کی رنگینی
پُر سوز تھے دل جس سے وہ آگ بجھی آخر

اللہ رے ساقی نے خود تھام لیا مجھکو
یہ لغزشِ مستانہ کام آ ہی گئی آخر

نیرنگ تحیر ہے دنیائے محبت بھی!
اک تشنہ لبی اوّل اک تشنہ لبی آخر

اقوام و ملل جس سے ہوتی ہیں فلک پیما
وہ رمز غلاموں پر بھی فاش ہوئی آخر

بیدار اگر دل ہو شاہی ہے فقیری بھی
بن جاتی ہے بال و پر بے بال و پری آخر

اظہارِ تمنا کے انداز کوئی دیکھے!
بلبل کی نوا بھی ہے پھولوں کی ہنسی آخر

ہو جائیں گے خود پیدا انداز براہیمی
بتخانہ آذر ہے، تہذیبِ نوی آخر

حشر جذبات

جناب ثاقب کانپوری

جذباتِ حُسن و عشق کا طوفان لئے ہوئے
بیخود ہیں اہلِ ہوش یہ سامان لئے ہوئے

روتا ہون آج عشق کی ناکامیون پہ مین — منہ پر ردائے گردِ بیابان لیے ہوئے

آنکھون کو کیا ضرورتِ نظارۂ چمن — ہر نقش جب ہے حسنِ گلستان لیے ہوئے

کھونا ہو گیا ہے نظر مین جمالِ دوست — ہر بزم مین ہون دیدۂ حیران لیے ہوئے

اس سے زیادہ اور کرون کیا نگاہِ ناز — خاموش ہون مین لذتِ پیکان لیے ہوئے

بربادیٔ حیات ہی راس آگئی مجھے — اب حسن خود ہے دید کا ارمان لیے ہوئے

یا خود مجھی کو اب نہین احساسِ سوزِ دل — یا انتہائے درد ہے درمان لیے ہوئے

تیری تسلیون سے نہ بڑھ جائے اضطراب — ہون انتہائے غم تر مژگان لیے ہوئے

کچھ تو بتا دے راز مجھے اے ہوائے شوق — کیون پھر رہی ہے خاک پریشان لیے ہوئے

ممکن نہین ہے دہر مین آزادیٔ حیات — ہر زندگی ہے کاہشِ زندان لیے ہوئے

ثاقب مری نظر مین ہے اُن کی ادائے حسن — بیٹھے رہین وہ جلوۂ پنہان لیے ہوئے

عرفانِ حیات

از جناب عرشی شاہ آبادی

دردِ بغیر زندگی اصل مین زندگی نہین — رنج نہ ہو تو پھر خوشی تکملۂ خوشی نہین

کشتۂ جورِ آسمان عرصۂ کائنات مین — عیش ہی عیش ہو مدام یہ کوئی زندگی نہین

بادۂ شوق ہے بہت ہو تو کوئی حریفِ شوق — میکدۂ حجاز مین آج بھی کچھ کمی نہین

وہ ہین اگر اسی مین خوش صدمۂ غم اٹھائے جا — اُن کی خوشی خوشی سمجھ اپنی خوشی خوشی نہین

جینا ہی جینا ہو تمام عشق سے لیکے حسن تک — آہ بہ لب کبھی ہو غم، وہ غمِ عاشقی نہین

بے غمِ ہجر جاودان آپ کا یہ خیال ہے
عرشی نزار کوئی شے دہر کی دائمی نہین

وفیات

کرنول علاقۂ مدراس کے ایک عالمِ دین کی وفات

احاطۂ مدراس کا وہ خطہ جس کو اب اندھرا کہنے لگے ہیں، اور جو مدراس اور حیدرآباد دکن کے بیچ میں واقع ہے وہ بھی کبھی اسلام کی قوت کا مرکز تھا، اس میں کرنول نام مشہور مقام ہے، جہاں پہلے ایک نوابی قائم تھی، وہ مٹ چکی ہے، اور اوس کا یادگار خاندان حیدرآباد دکن منتقل ہو گیا ہے، وہاں کی اسلامی طاقت کے زوال سے وہاں کے مسلمانوں کی علمی و دینی کیفیت بھی زوال کے قریب پہنچ چکی تھی، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے ایک بندہ کو مامور فرمایا، ان کا نام مولانا حاجی محمد عمر صاحب تھا، اُن کے علم و فضل اور نیکی و تقویٰ کے سبب سے حاکم و محکوم دونوں طبقوں میں انکو بڑی عزت حاصل تھی، حکومت نے شمس العلماء کے لقب سے ملقب کیا تھا، اور عام مسلمانوں نے بھی اون کی دینی قیادت اور رہبری کو قبول کیا، موصوف نے اسّی برس کی عمر پائی، اور یہ پوری عمر علوم دینی کی تعلیم و تدریس میں بسر کر کے گذشتہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۶ء کو وفات پائی، ان کی وفات سے اس علاقہ میں علوم قدیمہ کا خاتمہ ہو گیا، مرحوم مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور جس جلسہ میں ندوہ کی ابتدا کی تحریک کی گئی تھی اسی میں ان کی دستار بندی ہوئی تھی، ۱۳۱۱ھ میں کانپور سے فارغ ہو کر واپسی کے بعد کرنول میں قیام کیا، اور آخر تک وہیں قیام پذیر رہے، وہاں ایک چھوٹے سے مدرسہ کا انتظام جس کی ماہوار آمدنی پندرہ بیس روپیہ سے زیادہ نہ تھی، اپنے ہاتھ میں لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے کام میں برکت

دی، مرحوم کے مساعی کی بدولت آج اس کے املاک وعمارات تقریباً تین لاکھ کے مساوی ہیں، آندھرا، اور مدراس علاقہ کے اردو فارسی اور عربی اساتذہ میں تقریباً تین ربع بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے فیض تلمذ رکھتے ہیں، کانپور میں حضرت مولانا تھانوی سے مثنوی پڑھی تھی اور ان کے سلسلہ ارادت میں شامل تھے، مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی سے بھی فیض پایا اور مسلسلیت وغیرہ کی اجازت لی تھی، افسوس ہے کہ وہ گنجینۂ علم مفقود ہوگیا، رنج اس بات کا ہے کہ یہ جگہ کچھ ایسی خالی ہوئی ہے کہ اب اس کے پر ہونے کے آثار نہیں، اسلاف کی زندگی کا نمونہ تھے، باوجود ہر طرح کے آرام کے ہمیشہ خود اختیاری فقر کی زندگی پسند کی اور دنیاوی املاک میں سے نہ زمین چھوڑی نہ مکان اور نہ نقد ہمیشہ یہی آرزو رہی کہ دنیا سے ایسے روانہ ہوں کہ ترکہ کا حساب نہ دینا پڑے، وہی بعینہٖ پیش آیا، رحمہ اللہ،

ندوۃ العلماء کے اغراض ومقاصد سے واقف تھے، اور اصلاح نصاب کے مسئلہ سے متفق تھے، اسی لئے انھوں نے اپنے مدرسہ میں بہت سی اصلاحات جاری کیں، اور مدرسہ کو پرانے علوم کے ساتھ نئے طرز وطریق سے آشنا کیا، مرحوم نے اپنا لائق جانشین چھوڑا، فضل العلماء ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب پرنسپل محمڈن کالج مدراس کو مرحوم نے پہلے عربی علوم پڑھاکر عالم بنایا، پھر فضل العلماء کا عربی امتحان مدراس یونیورسٹی سے دلاکر انگریزی پڑھائی اور انکو ایم اے کرایا، فراغت کے بعد وہ محمڈن کالج مدراس میں پہلے استاد مقرر ہوئے پھر چند سال ہوئے کہ لندن جاکر علم تفسیر پر ریسرچ کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی، اور اب وہ محمڈن کالج مدراس کے پرنسپل ہیں، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اپنے باپ سے علم وعمل دونوں کی برکت حاصل کی ہے،

مرحوم سے مجھ سے مدراس کے سفر میں کئی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا، بڑے نیک وصالح اور متقی بزرگ تھے، وعظ بھی فرمایا کرتے تھے، سادہ بیان تھا، تکلف وتصنع سے تمامتر بری تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی نوازشوں سے سرفراز فرمائے، اور جس مدرسہ کو انھوں نے اپنی روحانی یادگار چھوڑا ہے، وہ ان کی جسمانی یادگار کے زیر سایہ قائم وباقی رہے،

"س"

باب التقریظ والانتقاد

طوفانِ محبت

مصنفہ نواب ہوش یار جنگ ہوش بلگرامی، ملنے کا پتہ "کتابخانہ" عابد روڈ حیدرآباد دکن، قیمت عہ، وعہ مجلد،

اردو شاعری آج کل جس دور سے گذر رہی ہے، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ امید نہ تھی کہ اب اصناف شاعری میں سے کوئی پرانی قسم کی مثنوی لکھ کر پیش کریگا، اب ناولوں رومانوں، چھوٹی کہانیوں کے عہد میں کس کو ہمت ہوگی کہ وہ نظم کے ان دو مصرعوں میں حسن وعشق کا کوئی افسانہ چھیڑے گا، یہی سبب ہے کہ آج اس زمانہ میں جب کہ غزل کہنے والے ہزاروں لاکھوں ہیں حسن وعشق کی مثنوی کہنے والا ایک بھی نہیں، اس ماحول میں جناب ہوش بلگرامی کی مثنوی "طوفان محبت" کو دیکھ کر جو ابھی ابھی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے بڑا تعجب ہوا،

بلگرام کی سرزمین کو شعر وسخن اور علم وادب کے ساتھ جو فطری مناسبت ہے، وہ ظاہر ہے اس فطری مناسبت اور ذاتی صلاحیت کے علاوہ جناب ہوش کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ انھوں نے نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کے سایۂ عاطفت میں جگہ پائی، نواب صاحب مرحوم نہایت مشکل پسند نقاد فن تھے، جس کا اندازہ ان کے انتخابات دیوان میر سے ہوگا،

ہوش صاحب نے اپنی اس مثنوی کی طرح اپنے عہد ادب کے آغاز ہی میں ڈالی تھی، اس کے بعد

زمانہ کے انقلابات نے اون کو کہاں کہاں پہنچایا، مگر وہ حسن وعشق کے اس صحیفہ کو جہاں گئے، اپنے سینہ سے لگائے رہے، یہاں تک کہ غالباً ربع صدی کے بعد اب وہ صحیفہ چھپ کر منظر عام پر آیا ہے،

مثنوی، ۹۶ صفحوں میں تمام ہوئی ہے، شروع میں مصنف کا منثور دیباچہ ہے، جس میں صنف مثنوی کی خصوصیات، اور اپنی اس مثنوی کے مقاصد بیان کئے ہیں، اس کے بعد جناب نیاز صاحب فتحپوری کا مقدمہ ہے جس میں مثنوی اور صاحب مثنوی کا تعارف ہے، اس کے بعد مثنوی کا آغاز ہوتا ہے،

مثنوی کا آغاز بدستور حمد باری تعالیٰ سے ہوا ہے، جس کا عنوان "اعتراف عبدیت" ہے، جس کا طرز تعبیر حکیمانہ ہے، اس کے بعد عشق کے بجائے جو اکثر موہوم حقیقت ثابت ہوئی ہے، مصنف نے "محبت و مودت" کے مناقب بیان کئے ہیں، اور اس کے بعد "لذت درد" کے عنوان سے بارگاہِ الٰہی سے محبت ومودت کی دولت مانگی گئی ہے، صفحہ ۱۰ سے قصہ کا آغاز ہوتا ہے، غدر سے کچھ پہلے کی دلی کا قصہ ہے، ایک خاندان کے افراد بچھڑتے ہیں، اور پھر بخت و اتفاق سے حسن وعشق کی راہ سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں، قصہ نہایت مختصر پلاٹ بالکل سادہ ہے، باتیں تمامتر فطری ہیں، نہ سحر و جادو ہے، نہ طلسمات ہے، نہ کہیں مبالغہ کا طوفان نہ غلو کا بیان ہے، نہ دور از کار تشبیہیں ہیں، نہ لفظوں کا ضلع جگت ہے، اور نہ کہیں بے شرمی اور بے حجابی کے مضامین ہیں، حالانکہ یہی وہ عنوانات ہیں جو ہماری پرانی مثنویوں کے اصلی عناصر ہیں، لیکن جہاں تک فن شاعری کا تعلق ہے، اس کی ہر چیز معیاری ہے، مصرع حشو و زوائد سے پاک، قافیے آورد سے خالی، بولی صاف، زبان نکھری، یعنی تعقید اور اغلاق سے بری اور خیالات کے لحاظ سے تمامتر حکمت و موعظت اور ان من الشعر لحکمۃ کی مثال حسن وعشق کے بیان میں بھی کہیں متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، اور کوئی ایسا سماں نہیں دکھایا گیا، جہاں چشم ادب کو شرم سے نگاہ نیچی کرنی پڑے، جگہ جگہ دین و اخلاق کے ایسے موتی اس میں بکھرے ہیں، جو مصنف کے ذخیرۂ ادب کی لازوال دولت ہیں، اور مثنوی کا آخری حصہ تو سراسر تبلیغی ہے،

مصنف کے کلام کی روانی قافیوں کی برجستگی، فارسی ترکیبوں کی دلآویزی، اور مضمون کی بلندی کا

اندازہ ان چند اشعار سے ہوگا،

ستارے سے پلکوں پہ کچھ آگئے — زباں رک گئی ہونٹ تھرا گئے

بدل کر رہیں گے یہ لیل و نہار — پھر آئے گی اک دن چمن میں بہار

میں ہر چند خود ہوں رہین ستم — اسیر بلا کشتۂ رنج و غم

نہیں مجھ سا گم کردہ منزل کوئی — کوئی ناخدا ہے نہ ساحل کوئی

یہ حالت بھی اک دن بدل جائیگی — گھڑی رنج و حرماں کی ٹل جائیگی

خواجہ میر اثر وغیرہ اساتذۂ مثنوی کی پیروی میں مصنف نے بھی مثنوی کی اسی بحر میں غزلیں کہہ کر شامل کی ہیں، ایک غزل ہے،

لہو ہو کے آنکھوں سے بہ جائے دل — کسی کا کسی پر اگر آئے دل

فضا حسن کی مسکراتی رہی — میں کہتا رہا ہائے دل ہائے دل

کبھی آگئے اے کاش وہ دیکھنے — اجڑتی ہوئی میری دنیائے دل

کہوں کچھ تو شرم و فا روک دے — جو خاموش بیٹھوں تو گھبرائے دل

کسی کے تصور میں کھو جائیے — اسی طرح شاید بہل جائے دل

تغافل کے صدقے یہ پوچھے کوئی — کہاں تک مصیبت سہے جائے دل

محبت کا یہ کیف اترے نہ ہوش — الٰہی نہ اب ہوش میں آئے دل

مصنف کی طبعی نفاست پسندی کے مطالبہ کو طباعت کے اہتمام کرنے والوں نے بھی پورا کیا ہے، اعلیٰ درجہ کا کاغذ، خوشنما ٹائپ، خوبصورت انگریزی جلد،

"م س"

———— • ————

مطبوعات جدیدہ

احکام قرآنی از جناب ایم عبدالرحمٰن خان صاحب ناشر ایم ثناء اللہ خان صاحب نمبر ۲۶ ریلوے روڈ لاہور، حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ہے

جناب مصنف اس سے پہلے بھی قرآن مجید کی خدمت کے سلسلہ مین اپنی بعض مفید کتابین شائع کرا چکے ہین، "احکام قرآنی" کے نام سے ان کی نئی کتاب شائع ہوئی ہے، اس مین قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ مختلف عنوانون کے تحت منتخب کرکے مختلف بابون مین درج کی ہین، یہ آیات کریمہ مسلمانون کی زندگی کے مختلف شعبون عقیدہ و عمل، عبادت و حقوق عباد، اور اخلاق و معاشرت سے وابستہ ہین، اگر ابواب مختلف عنوانات عقائد، عبادات، اوامر و نواہی اخلاق و حقوق، معاشرت، و تجارت وغیرہ مین تقسیم کئے جاتے، اور آتیین تحتانی عنوانون کے ساتھ بابکے جامع عنوان کے تحت درج کیجاتین، تو کتاب مین زیادہ جامعیت اور اس سے استفادہ کرنے مین مزید سہولت حاصل ہوتی، بایں ہمہ اس تصنیف مین قرآن مجید کے احکام کا ایسا خلاصہ آگیا ہے، جو مسلمانون کی حیات کا دستور بن سکتا ہے، ضرورت ہے کہ مسلمانون کے حلقہ مین اسکی عام اشاعت ہو کہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکین، کتاب پر حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ اور دوسرے علماء کرام نے حوصلہ افزا تقریظین بھی لکھی ہین،

Cabinet Mission and After (وزارتی مشن اور مابعد)

از جناب شیخ محمد اشرف صاحب حجم ۱۲۲۰ صفحے، کاغذ اور چھپائی بہتر، قیمت ہے، پتہ:- شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

شیخ محمد اشرف انگریزی کتابون کی طبع و اشاعت مین ہندوستان کے ناشرین مین امتیاز حاصل کر چکے ہین، وہ مختلف موضوعون پر قابلِ قدر کتابین انگریزی زبان مین شائع کرتے رہتے ہین، ان کی نئی کتاب عنوانِ بالا سے شائع ہوئی ہے، اور اس کتبہ کی خصوصیات کی حامل ہے، اس مین وزیر اعظم اٹیلی کے اعلان سے لیکر کانگریس کے عارضی حکومت مین داخل ہونے تک ہندوستان کی سیاسی حالت کی روداد یکجا کی گئی ہے، جس کے مختلف ابواب مین وزارتی وفد کے ورود ہند، گفتگو کے آغاز اور اس کے مختلف مراحل کو دکھایا گیا ہے، اور مختلف سرکاری اعلانات، لیگ کانگریس، وائسرائے، اور وزارتی وفد کے باہمی مراسلات، لیگ اور کانگریس کے سکریٹری اعلانات، مجالس کی کاروائیان، اور مختلف لیڈرون کے مختلف موقعون پر شائع کرائے ہوئے بیانات وغیرہ کو یکجا کیا ہے، اسطرح اس سلسلہ کی تقریباً سب ہی ضروری چیزین اس مین آگئی ہین، اور خصوصاً حوالہ (ریفرنس) کے لئے یہ ایک اچھا مجموعہ تیار ہوگیا ہے، امید ہے کہ اس کو پسند کیا جائے گا،

انگلستان اور بین الاقوامی زر کے منصوبے — مترجمہ جناب محمد احمد خان صاحب بی اے، حجم ۵۲ صفحے، قیمت ۸ر، پتہ:- انڈیا بک ہاؤس، عابد روڈ حیدرآباد دکن،

بین الاقوامی مسئلہ زر کو طے کرنے کے لئے حکومت انگلستان نے لارڈ کینز کی سرکردگی مین تجاویز مرتب کرائی تھین، تاکہ بین الاقوامی تجارت کو زر کے بدلتے ہوئے حالات کے اثرات سے بچایا جا سکے، چنانچہ موصوف نے بین الاقوامی مجلسِ حساب کے قائم کرنے کے لئے اپنی تجویزون کا خاکہ تیار کیا تھا، جس کو دنیا کے ماہرین اقتصادیات کے غور و فکر کے لئے شائع کیا گیا تھا، زیر نظر رسالہ انہی تجاویز کا اردو ترجمہ ہے، ترجمہ صاف، سلیس اور رواں ہے،

امریکہ اور بین الاقوامی زر کے منصوبے — مترجمہ جناب عطاء الرحمٰن صاحب علوی بی اے حجم ۴۸ صفحے، قیمت ۸ر، پتہ:- انڈیا بک ہاؤس، عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

بین الاقوامی مسئلہ زر پر انگلستان کی طرح امریکہ مین بھی تجاویز مرتب کی گئی تھین، تاکہ ان پر مشترکہ

غور و فکر کیا جا سکے، زیر نظر رسالہ مین امریکہ کی تجاویز کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے یہ ترجمہ بھی صاف سلیس اور عام فہم ہے،
اقتصادیات سے دلچسپی رکھنے والون کے لئے یہ دونون رسالے دلچسپ اور مفید ہون گے،

حقائق الاسلام (حصہ اول) ازجناب حافظ محمد سرور صاحب کوہاٹی، حجم ۳۲۴ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ے، پتہ :- دفتر جماعت اسلامیہ، نزد محلہ جبہ خان کوہاٹ، صوبہ سرحد،

حقائق الاسلام مین مصنف نے انسانون کی تخلیق اور انبیاء کرام کی بعثت کے مقاصد کو واضح کرکے اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات کو پیش کیا ہے، پھر انہی عقائد و تعلیمات کی روشنی مین انسانی سیرت و کردار اور اخلاق حسنہ و رذیلہ کا جائزہ لیا گیا ہے، اور صدر اول کے مسلمانون کی سیرت کی بلندی اور رفتہ رفتہ پستی کی طرف مسلمانون کی رجعت کو دکھایا ہے، اور اس کے اسباب و علل کو نمایان کیا ہے، پھر بتایا ہے کہ اسلام نام ہے ایمان و عمل صالح کا، اور مسلمانون کی زندگی کو اسی پیمانہ پر اترنا چاہئے، آخر مین کفر و اسلام مین ایک دوسرے سے امتیاز دکھا کر مسلمانون کو کفریہ عقائد، اعمال اور تعلیمات سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، مباحث پر اظہار خیال اور طرز ادا مین کچھ پھیلاؤ زیادہ ہو گیا ہے، اگر انھین سمیٹ کر اختصار و جامعیت کے ساتھ قلمبند کیا جاتا تو کتاب کے افادی پہلو زیادہ نمایان ہوتے، بایں ہمہ یہ تصنیف عام اسلامی حلقہ کے لئے مفید ہوگی، امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

مقدمۂ مشکوٰۃ شریف، ترجمہ جناب مولوی خواجہ محمد علی صاحب ناشر مکتبہ اسلامی، لاہور، حجم ۱۱۱ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت :- عہ

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا مقدمۂ مشکوٰۃ حدیث کے طلبہ کے لئے شمع راہ کا کام دیتا ہے، یہ مقدمہ انھون نے اپنی شرح مشکوٰۃ کے لئے لکھا تھا، مگر اس قدر مقبول ہوا کہ مشکوٰۃ کے مطبوعہ نسخون کا جزو بن گیا، اس مین علم حدیث کے مبادی بڑے اختصار و جامعیت سے بیان کئے گئے ہین، مترجم نے اس کو طلبہ کی آسانی کے لئے شگفتہ اردو مین منتقل کر دیا ہے، اور ترجمہ کے ساتھ اصل عربی متن کو بھی چھاپ دیا ہے، مترجم نے دیباچہ مین مشکوٰۃ اور اس کی شرحون کا حال بیان کیا ہے، اس سلسلہ مین بعض مسامحتین سرزد ہو گئی تھین، جن کی تصحیح مترجم نے کر لی ہے،

حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت | ازحضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ، ناشر ادارہ دعوۃ الحق بیگم بازار کوچہ گھانس منڈی، حیدرآباد دکن، حجم ۱۶ صفحے قیمت :- ۳۰/

معارف، مئی ۱۹۴۶ء مین حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خطبۂ صدارت جو جمعیۃ علماء صوبۂ بمبئی کے اجلاس مین پڑھا گیا تھا، شائع ہوا تھا، اس کے بعض حصہ کو ناشر نے "حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت" کے نام سے رسالہ کی صورت مین شائع کیا ہے، اور اپنی طرف سے مضمون مین تحتانی سرخیان قائم کی ہین، اس سیاسیات کے موجودہ بحران مین اس کا مطالعہ بیحد مفید ہوگا،

اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاحِ عالم | ازجناب حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی، حجم ۴۵ صفحے، قیمت :- ۸/ پتہ :- دار الاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

مصنف نے اس رسالہ مین دکھایا ہے کہ اسلامی ریاست کی روح عبدیت اور اتباعِ امرِ الٰہی ہے، اور اسی کی تاسیس سے دنیا کی فلاح وابستہ ہے،

روحانی اقوال مرتبہ جناب حافظ سکندر بخت صاحب، حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت ۸/، پتہ منیجر کتب خانہ عابد روڈ حیدرآباد دکن،

اس رسالہ مین مختلف دینی و اخلاقی عنوانون پر مختلف احادیث، آثار اور بزرگانِ دین کے ملفوظات یکجا کئے گئے ہین، اور ان سے مختلف مذہبی اوامر و نواہی اور سبق آموز پند و نصائح پیش کئے گئے ہین،

اہلبیت، مصنفہ مولوی ابو المرجان محمد فضل اللہ صاحب سبا، کپوری، پتہ :- صوفی پورہ

مبارکپور، ضلع اعظم گڈہ، حجم ۴۰ صفحے، قیمت ۴ر

مصنف نے اس رسالہ میں کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت کرنا چاہا ہے، کہ اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات ہیں، نیز عصمت اہلِ بیت کے عقیدہ کا رد کیا ہے،

راہِ سلوک از مولوی حکیم سید محمد طٰہٰ صاحب کمال، ندوی، پتہ:- آبگلہ، ڈاکخانہ، بنیادگنج

ضلع گیا، حجم ۳۲ صفحے، قیمت درج نہیں،

مصنف نے دکھایا ہے کہ اولیاء صالحین سے محبت رکھ کر ان کا اتباع کرنے ہی سے راہِ سلوک طے ہوتی ہے،

وسیلۃ النجاۃ از مولانا سید شاہ امیر الدین مرحوم:- پتہ:- سعید برادرس

پبلشرز الہ آباد، حجم ۴۰ صفحے، قیمت:- ۴ر

وسیلۃ النجاۃ میں نماز کے مستحبات، مختلف اعمال صالحہ کے فضائل اور اوراد و اشغال کے طریقے، مختلف احادیث و آثار کے متن مع ترجمہ سے مختصراً بیان کئے گئے ہیں،

مقاصدِ قرآن از مولوی سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، حجم ۸۰ صفحے، قیمت ۱۲ر،

پتہ:- مکتبہ نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد، دکن،

اس رسالہ میں قرآن مجید کی تعلیمات دلنشین انداز میں پیش کی گئی ہیں، اور نتیجہ کے طور پر دکھایا ہے، کہ ایمان باللہ و روز آخر اور عمل صالح آسمانی مذاہب کی مشترک تعلیم ہے، دوسری قوموں نے ان کو بھلایا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیش فرما کر نوعِ انسانی کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس رسالہ کا مطالعہ اور اس کی عام اشاعت مفید ہوگی،

"س"

جلد ۵۹ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۷ء عدد ۴

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ

استفسار و جواب

وفیات